شعبۂ تعمیر و ترقی
دار العلوم ندوۃ العلماء
لکھنؤ

تعمیرِ حیات لکھنؤ

پندرہ روزہ

ایڈیٹر سید محمد الحسنی
معاون سعید الاعظمی ندوی

۲۰ ذی القعدۃ ۱۳۸۳ھ مطابق ۲۵ مارچ ۱۹۶۴ ع

جامع اموی
دمشق کا
بیرونی منظر

فریضۂ حج کی حکمت اور اسکے فوائد، مولانا ابو الحسن علی الحسنی ندوی
اندلس کی وادیوں میں
حرم جا رہا ہوں گنہگار ہو کر (نظم)

نئے ۲۵ پیسے

سالانہ چندہ ۵ روپئے

Regd No. L- 1081

TAMEER-E-HAY[AT]

DARULULOOM NADWATULULAMA LUCKNOW

مکتبۂ دار العلوم کی دوسری مطبوعات

جزیرۃ العرب

از مولانا محمد رابع ندوی استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء

یہ جغرافیہ کی کوئی خشک کتاب نہیں بلکہ اس میں سیرت، تاریخ و ادب عربی کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہے اسکی وجہ سے کسی جگہ کی جغرافیائی اہمیت کیساتھ اسکی دینی اور ادبی اہمیت بھی نظروں کے سامنے آجاتی ہے۔ اس سلسلہ میں قدیم و جدید دونوں ماخذ سے استفادہ کیا گیا ہے۔ اہم مقامات کے قدیم ناموں کیساتھ جدید نام بھی بتائے گئے ہیں اور جا بجا وضاحتی نقشے بھی دیئے گئے ہیں، اسکا تذکرہ عالم عربی کے اخبارات نے اچھے انداز میں کیا ہے، دار العلوم ندوۃ العلماء کے نصاب میں بھی داخل ہے، اپنے موضوع پر ایک منفرد کتاب۔ قیمت ۵ روپیہ

تذکرہ حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی

از مولانا ابو الحسن علی حسنی ندوی

چودھویں صدی ہجری کے مشہور و مقبول بزرگ و عالم، اویس زمانہ حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی کی سوانح حیات، حالات، ارشادات و ملفوظات، جو دل پر اثر کئے بغیر نہیں رہتے اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ تصوف، شریعت سے علیحدہ کوئی چیز نہیں بلکہ عین شریعت کی روح ہے، وہ حضرات جو درد و محبت کے جویا اور یقین کے طالب ہیں ان کیلئے یہ کتاب بیش قیمت تحفہ ہے۔

قیمت ۴/

دہلی اور اسکے اطراف

از مولانا حکیم سید عبد الحئی رح سابق ناظم ندوۃ العلماء

یہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ کا ایک سفرنامہ اور روزنامچہ ہے جو انیسویں صدی کے آخر میں لکھا گیا تھا اس سفرنامے سے اندازہ ہوگا کہ گذشتہ صدی کے علماء کس ثقافت اور علم کے حامل تھے اور ان کا مطالعہ کتنا وسیع، متنوع اور پختہ تھا، آپ کو اس سفرنامہ میں شعر و سخن کا ذوق سلیم، گہری تاریخی واقفیت، سلاسل تصوف اور انکی شاخوں اور قسموں پر اطلاع، متقدمین کی تصنیفات اور کتابوں سے آگاہی اور ان کے مسلک اور عہد کے نشانات جا بجا ملیں گے۔ قیمت مجلد ۲ روپیہ

منثورات

از مولانا محمد رابع ندوی

اس کتاب میں مصنف نے ان جاندار ٹکڑوں کا انتخاب کیا ہے جو زبان کے محاسن اور کلام کی بلاغت کیساتھ دینی و اخلاقی تربیت کا کام بھی دے سکتے ہیں اور اسلامی جذبات پیدا کرنے میں معاون ثابت ہو سکتے ہیں، سیرت نبوی، تاریخ اسلام اور مستند و صاحب طرز انشاء پردازوں کی نثر کے نمونے پیش کئے گئے ہیں جو عربی زبان و ادب کی بہترین نمائندگی کرتے ہیں نثر قدیم کے ساتھ نثر جدید اور نظم قدیم بھی شامل ہے، مدارس عربیہ کی بڑی تعداد نے داخل نصاب کیا ہے۔ قیمت ۳/

مختارات

از: مولانا ابو الحسن علی ندوی

یہ کتاب عربی کی متوسط اور اعلیٰ دونوں جماعتوں کے نصاب میں داخل کرنے کے لائق ہے اپنی خصوصیات کے لحاظ سے اس وقت تک ادب عربی کی کوئی کتاب اس کا بدل نہیں بلکہ یہ دوسری کتابوں کا نعم البدل ہے، مدارس عربیہ کی بڑی تعداد کے علاوہ لکھنؤ، علیگڑھ، کلکتہ، پنجاب اور مدراس یونیورسٹیوں اور بہت سے کالجوں میں داخل نصاب ہے، شام کے کالجوں میں بھی داخل نصاب ہے۔

قیمت حصہ اول للعہ حصہ دوم صہ

ESTD. 1903

قدرتی تیل

جوڑوں کے درد، زخم، چوٹ، موچ، کٹنے، جلنے میں مفید ہے

کارخانہ دار الصحت مئوناتھ بھنجن یوپی

Printed by S. M. HASNI at Shahi Press Cover Printed at NadwaPress LUCKNOW.

مجلس مشاورت

مولنا محمد اویس ندوی، شیخ التفسیر دار العلوم ندوۃ العلماء
مولنا محمد اسحاق ندوی، استاذ حدیث دار العلوم ندوۃ العلماء
مولنا ابو العرفان ندوی، قائمقام مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء
مولنا معین اللہ ندوی، ناظر شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء
مولنا محمد رابع ندوی، ادیب اول دار العلوم ندوۃ العلماء

سالانہ پندرہ روپئے ششماہی آٹھ روپئے | فی کاپی دس نئے پیسے | ممالک غیر کیلئے ایک پاؤنڈ

ترسیل زر و انتظامی امور کے لئے پتہ

منیجر "تعمیر حیات" شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مضامین وغیرہ کے لئے خط و کتابت اس پتہ پر کی جائے

اسسٹنٹ ایڈیٹر "تعمیر حیات" شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

قابلِ توجہ

تعمیر حیات کی قیمت لاگت سے بہت کم رکھی گئی ہے
تاکہ زیادہ سے زیادہ حضرات مستفید ہو سکیں،
اس لئے
اہل استطاعت حضرات سے پرزور گذارش ہے کہ حسب ذیل شرح
عطیات عطا فرما کر دینی لٹریچر کی نشر و اشاعت اور ادارہ کی
امانت میں حصہ لیں!

معاونین خصوصی سے ______ 200 - 00
معاونین سے ______ 100 - 00 / 50 - 00
اعزازی خریداران سے ______ 25 - 00

پندرہ روزہ **تعمیر حیات** لکھنؤ

شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد ۱ | ۲۵ مارچ ۱۹۶۴ء مطابق ۱۰ ذیقعدہ ۱۳۸۳ھ | شمارہ ۱۰

اس شمارے میں

نصاب تعلیم میں تبدیلی کیوں؟ .... سعید الاعظمی ندوی ۱
کلام خیر الانام ... ... مولانا محمد اسحاق سندیلوی ندوی ۳
فریضۂ حج کی حکمت اور اسکے فوائد ... ... مولانا سید ابو الحسن علی ندوی ۴
اندلس کی وادیوں میں ... ... مولانا محمد اویس نگرامی ندوی ۶
ندوۃ العلماء منزل بہ منزل ۸
حرم جا رہا ہوں گنہگار ہو کر ... ... (نظم) ... مولانا محمد اسحاق سندیلوی ندوی ۹
تضمین مخمس ... ... (نظم) ... سید ظفر علی صوفی خیرآبادی ۹
خطبات نبوی ... ... حبیب الرحمٰن ندوی ۱۰
عمرو بن زید ... ... سعید الرحمٰن الاعظمی ۱۱
تھوڑی دیر اہل حق کے ساتھ ... ... محمد یونس نگرامی ندوی ۱۲
جبری تعلیم ... ... مولوی حسان احمد ندوی ۱۳
کتب خانہ کی سیر ... ... ابو البقا ندوی ۱۴
حالات و واقعات دار العلوم ... ... افتخار حسین قدوائی ۱۵
مطالعہ کی میز پر ۱۵
ابو العلا المعری ... ... محمد اشتیاق لکھنوی ۱۶
ندوۃ العلماء ... ... (نظم) .... عبد المنان عمر ۱۶
یاران خفتہ جاگو ...... (نظم) ... ... رئیس الشاکری بارہ بنکوی ۱۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نصاب تعلیم میں تبدیلی کیوں؟

سعید الاعظمی ندوی

دار العلوم کا نیا تعلیمی سال شروع ہو چکا ہے۔ یہ سال گزشتہ سالوں کے مقابلے میں اس حیثیت سے بہت زیادہ اہم اور قابل توجہ ہے کہ گزشتہ سال جو نیا نصاب تعلیم مرتب ہوا تھا اور جن تقاضوں کو سامنے رکھ کر اس کی ضرورت سمجھی گئی تھی وہ اس سال نافذ ہو چکا ہے اور مضامین، درجہ بندی اور دیگر تمام امور عملی شکل اختیار کر چکے ہیں نتیجہ کے اعتبار سے ابھی اس کے متعلق کچھ اظہار خیال قبل از وقت ہوگا۔ لیکن یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ جن بنیادوں پر نصاب کے اندر یہ تبدیلی کی گئی ہے وہ انتہائی پختہ اور مستحکم ہیں۔ اس کی پوری تفصیل تعمیر حیات کے گزشتہ شماروں میں نصاب سے متعلق شائع شدہ مضامین میں موجود ہے۔ جو ناظرین کی نگاہوں سے ضرور گذر چکی ہوگی۔ نئے نصاب کا ہر طبقہ کی طرف سے خیر مقدم ہوا۔ اور کم و بیش سبھی نے اس بات کی ضرورت محسوس کی کہ پرانے نصاب میں بنیادی مضامین کو چھوڑ کر جن کا تعلق دین کے سرچشمے ہے اور تمام مضامین میں ترمیم و اضافہ اور اصلاح و تغیر ہونا چاہئے اور عصری تقاضوں کے پیش نظر عصری علوم اور عصری زبانوں کی تعلیم کا انتظام ضرور ہو کہ طالب علم فارغ ہونے کے بعد اپنی ذاتی محنت سے جہاں تک چاہے آگے بڑھ سکے۔ اور اس احساس کمتری کا شکار ہونے سے محفوظ رہ سکے جو موجودہ زمانے میں ہمارے اکثر و بیشتر طلبہ کے اندر سرایت کر چکی ہے۔

اس حقیقت کا احساس نہ صرف یہ کہ کسی محدود یا مخصوص طبقے میں ہے بلکہ ہر طرف یہ احساس ہو چلا ہے کہ زمانے کے قافلے کا ساتھ دینے کے لئے ہمارے طلبہ میں جس روح اور قوت و تازگی اور اپج کی ضرورت ہے، وہ اس قدیم نصاب تعلیم پر جمے رہنے اور لکیر کے فقیر بنے رہنے سے کبھی حاصل نہیں ہو سکتی، یہی وجہ ہے کہ جب کسی معتبر اور تاریخی حیثیت رکھنے والے ادارہ کی طرف سے اس حقیقت کا اظہار ہوتا ہے اور کوئی بڑی اور معتمد علیہ شخصیت پورے دلائل اور حقائق کے ساتھ ...... موجودہ نظام تعلیم کے ڈھانچے میں کوئی اہم تبدیلی کرنے کا اعلان کرتی ہے تو ہر شخص اس کو اپنا ایک دینی اور ملی فریضہ سمجھ کر غور کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ورنہ کم از کم اس کو شک کی نگاہ سے نہیں دیکھتا۔

دار العلوم ندوۃ العلماء کی طرف سے جب نصاب میں اصلاح و ترمیم کا اعلان ہوا جس کا ایک خاکہ تعمیر حیات میں شائع ہو چکا ہے تو بہت سے لوگوں نے اس کوشش کو سراہا اور اس کو زمانہ کے تقاضوں کے پیش نظر ایک نہایت ضروری اقدام قرار دیا، کتنے ہی مدارس نے اس سے روشنی حاصل کی اور اپنے نصاب میں اصلاح و ترمیم کے متعلق غور کیا، بعض مدارس نے ندوہ کے نصاب کو حرف بحرف قبول کر کے اس کو اپنے یہاں رائج کیا۔ ہمیں اس کا اظہار کرنے میں مسرت ہے کہ دار العلوم کے نصابی کتب کی مانگ مدارس عربیہ میں بحمد اللہ روز بروز بہت بڑھ گئی

اور اہلِ مدارس اور علماء اس کو بڑی تعداد میں طلب کرتے ہیں۔

اگر حقائق سے چشم پوشی نہ کی جائے تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس وقت زمانے کو ایک ایسے نظامِ تعلیم کی ضرورت ہے جو ہر طرح سے جامع و مانع ہو، اور جس میں فراخ دلی سے نئی چیزوں کو لیا گیا ہے اور ان قدیم چیزوں کو نکالا گیا ہو جن کی ضرورت اس زمانے میں باقی نہیں رہی اور اب ان کی جگہ دوسری چیزوں نے لے لی ہے۔ یہ اتنا ضروری اقدام ہے کہ اگر جلد اس پر عمل درآمد شروع نہیں ہوا تو وہ دن دور نہ ہوگا جبکہ تیزی کے ساتھ پھیلتی ہوئی بے دینی اور الحاد کی راہ سے آنے والے نت نئے فتنوں کا مقابلہ کرنے اور اسلام کی طرف سے مدافعت کا فرض انجام دینے والے نہ صرف یہ کہ کم بلکہ مفقود ہو جائیں گے اور اگر ایسا ہو گیا تو خدا نخواستہ اس ملک میں بھی اسلام اور مسلمانوں کا وہی حشر ہو سکتا ہے جو اندلس کی خونچکاں داستان میں پوشیدہ ہے۔

پوری دنیائے اسلام اور خصوصاً اس ملک کے موجودہ حالات نے اس ضرورت کا احساس اور تیز کر دیا ہے کہ مسلمانوں کو اپنے ملی وجود اور دینی شعائر کی بقاء کے لئے علماءِ دین کی ایک ایسی جماعت تیار کرنی ہے جو بیک وقت فقیہ و مجاہد دونوں ہوں، وہ ایک طرف دلوں کو قرآن و حدیث کے پیغام سے گرما سکتے ہوں، دوسری طرف ان کو خودداری و شجاعت کا وہ درس بھی دے سکتے ہوں جس سے وہ ایک زندہ قوم بن کر دنیا سے اپنی برتری اور بالادستی تسلیم کرا سکیں اور بوقتِ ضرورت بڑی سے بڑی طاقت کو اپنے سامنے سرنگوں ہونے پر مجبور کر سکتے ہوں۔

یہ کام اسی وقت انجام پا سکتا ہے جب ہمارے مدارس اور ہماری تربیت گاہیں اپنے یہاں تعلیم و تربیت کا اعلیٰ نمونہ پیش کریں، وہ قوم کے لئے ایسے ملنبر نگاہ علماء اور سرفروش قائد مہیا کر سکیں جو وقت کی ضرورت کو کسی طرح نظر انداز کر کے ملک و ملت کو پیچھے رہنے پر مجبور نہ کریں ان میں وہ جوہر اور قابلیت موجود ہو کہ وہ بڑے سے بڑے سیلاب کو روکنے کی پوری استطاعت رکھتے ہوں، وہ دنیا کے معاملات سے پوری طرح باخبر، بین الاقوامی حالات سے اچھی طرح واقف ہوتے ہوئے، دین کی باتوں اور دینی تقاضوں اور اس کے شعائر کا پورا پورا علم رکھتے ہوں۔

ندوۃ العلماء نے اسی تقاضے اور ضرورت کے پیشِ نظر ہمیشہ اپنے نصاب میں ترمیم و اصلاح کو روا رکھا اور زمانے کے رخ کو دیکھ کر تعلیم و تربیت کا نظام اسی نے مرتب کیا، موجودہ ترمیم شدہ نصاب بھی اسی روح کا حامل ہے۔ اس وقت جن باتوں پر سب سے زیادہ توجہ دی گئی ہے وہ خصوصیت سے دو چیزیں ہیں۔

(۱) عربی زبان کی تعلیم کا انتظام دین کے بنیادی مضامین کی زبان کی حیثیت سے۔ اور اس کے لئے ان تمام پہلوؤں کی رعایت جو زبان کو صحیح طور سے سیکھنے کے لئے ضروری ہیں۔ عربی انشاپردازی، عربی خطابت اور عربی میں بے تکلف بول چال اور مافی الضمیر کی ادائیگی یہ وہ تین بنیادی پہلو ہیں جن کے لئے ندوہ نے شروع سے اپنے یہاں انتظام کرنے کی کوشش کی ہے۔ عربی زبان کی وسعت اور پھیلاؤ کی وجہ سے روز بروز ان پہلوؤں کے لئے نئے وسائل و اسباب کی فراہمی کے لئے ندوہ ہی نے دراصل تنہا وہ کام انجام دیا ہے جو اب تک کسی دوسرے ادارہ نے انجام دینے کی کوشش نہیں کی۔ عربی زبان کو ایک زندہ زبان کی حیثیت سے سیکھے بغیر قرآن فہمی کی وہ صلاحیت پیدا ہونا مشکل ہے۔ جو اس کے لئے ضروری ہے۔ قرآن کی فہم پیدا کر لینا ایک اتنی بڑی نعمت ہے جس کا اندازہ کسی ایسے شخص کو ہرگز نہیں ہو سکتا جو عربی سے ناواقف اور قرآن کے اسرار و رموز اور اس کے نکات کے بلاواسطہ سمجھنے سے محروم ہو، حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی نے اس سال طلبہ کے افتتاحی جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ "فہمِ قرآن اتنی بڑی نعمت ہے کہ اگر اس پر کوئی شخص خوشی سے دیوانہ ہو جائے اور گریبان چاک کر کے مجنونانہ کیفیت اختیار کرے تو کوئی تعجب خیز بات نہیں"، حضرت مولانا نے طلبہ کو خطاب کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا تھا کہ:

"اگر اس دار العلوم میں ہم کو کچھ نہ ملے اور صرف اتنا مل جائے کہ ہم خدا کا کلام سمجھنے اور اس کے مخاطب ہونے کے اہل ہو جائیں تو دنیا کی ساری لذت و آسائش اس ایک نعمت پر قربان ہو سکتی ہے۔"

یہی وہ جذبہ ہے جس کے تحت ندوہ نے عربی زبان و ادب کی تعلیم کے لئے بہتر سے بہتر انتظام کیا اور اس کو دین کا ایک اہم فریضہ سمجھ کر اس کے لئے وسائل فراہم کرنے میں کوئی دریغ نہیں رکھا۔

(۲) دوسرا نمایاں پہلو جو موجودہ نصاب کی خصوصیت ہے وہ ہے انگریزی زبان اور دیگر عصری علوم کی تعلیم اس مقدار میں کہ طالبِ علم ان کے مضراثرات سے محفوظ رہتے ہوئے ان کے ذریعہ دین کی خدمت انجام دے سکے عصری زبانوں میں دین کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے اور اسلام پر جو اعتراضات کئے گئے ہیں ان کو بخوبی سمجھ کر اس کے متعلق اپنے ذہن کو مدافعت اور تبلیغ کے لئے تیار کر سکے۔

اگر غور کیا جائے تو انگریزی زبان و ادب اور دوسرے جدید علوم و فنون کی تعلیم موجودہ دور میں دین کی خدمت کرنے اور صحیح معنوں میں اسلام کا پیغام دوسری قوموں تک پہونچانے کے لئے بے حد ضروری ہے، صورتِ حال یہ ہے کہ ہمارے مدارس سے فارغ ہونے والے طلبہ دین کے علم سے واقف ہوتے ہوئے بھی اپنی بات دوسروں تک پہونچانے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ زمانہ جس نئے اسلوب اور طرز کا عادی ہو چکا ہے ضرورت ہے کہ اسی طرز و اسلوب کے ساتھ اس کے سامنے اپنا پیغام پیش کیا جا سکے۔

مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ بانی ندوۃ العلماء کو اس ضرورت کا آج سے بہت پہلے احساس ہو گیا تھا اور انھوں نے اپنی روشن ضمیری سے یہ بات پہلے ہی سمجھ لی تھی کہ اسلام کی خدمت کما حقہ انجام دینے کے لئے بقدرِ ضرورت انگریزی زبان اور جدید علوم کا سیکھنا بہت ضروری ہے۔ انھوں نے بہت صفائی کے ساتھ علماء کو انگریزی میں عبور حاصل کرنے کی دعوت دی۔ اور تاریخ و جغرافیہ اور دوسرے ضروری علوم کی اہمیت بتائی، وہ اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:-

"اس زمانہ میں دینی و دنیاوی ضرورتیں ایسی درپیش ہیں کہ انگریزی زبان کا سیکھنا ضروری ہے۔ اگر چند ہمارے علماء اس قدر انگریزی سے واقف ہوں کہ یورپ میں جا کر اسلام کے فضائل انکی زبان میں بیان کریں تو بہت کچھ اسلام کی اشاعت ہو۔ اسی طرح اگر انگریزی میں رسائل لکھ کر مشتہر کرائے جائیں تو بھی بہت نفع ہو۔ غرض اسوقت دنیا میں بہت بڑا فرقہ جو اپنی سلطنت کے اعتبار سے اکثر روئے زمین پر حاوی ہے اسکی زبان انگریزی ہے لہٰذا تبلیغِ اسلام کیلئے ضروری ہے کہ انگریزی زبان سیکھی جائے کیونکہ اب انکو غلبہ ہے اور مسلمان مغلوب ہیں اور غالب مغلوب کی زبان سیکھنے پر مجبور نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اگر مغلوب کو ان سے ضرورت پیش آئے تو بالضرور اسے غالب کی زبان سیکھنی ہوگی یہ تو دینی ضرورت تھی اور دنیاوی ضرورتیں تو ہر کہ و مہ پر ظاہر ہیں پھر کیسے ہو سکتا ہے کہ سب تارک الدنیا ہو جائیں۔ کسی قسم کا برتاؤ اہلِ دنیا سے نہ رکھیں۔"

یہ نصف صدی پیشتر کی بات ہے۔ آج یہ ضرورت کس قدر بڑھ چکی ہے۔ اسکا اندازہ ہر شخص کر سکتا ہے امید ہے ندوۃ العلماء کے جدید نصاب سے یہ ضرورت پوری ہو سکے گی۔

دالاعی عبید اللہ

کلامِ خیرِ الانام

احسان

مولانا محمد اسحاق سندیلوی ندوی

احسان کے معنی ہیں کسی چیز میں حسن و خوبی پیدا کر دینا۔ شریعت کی اصطلاح میں احسان کے معنی ہیں کسی دینی حکم کی تعمیل۔ ایسی خوبی کے ساتھ کرنا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں پسندیدہ ہونے کے لائق ہو جائے اس کا تعین صرف عباداتِ الٰہی ہی کے ساتھ نہیں ہے بلکہ دین کے ہر شعبے مثلاً اخلاق، اعتقادات، معاملات وغیرہ سب کے ساتھ ہے اور شریعت نے سب میں "احسان" کا حکم ہی دیا ہے۔ لیکن چونکہ یہاں اسلام کی تشریح میں صرف اس کے شعبہ عبادات کو ذکر فرمایا گیا ہے۔ اور ان میں چند اہم ترین عبادتوں کا تذکرہ فرمایا گیا ہے۔ اس لئے اقسامِ احسان میں سے بھی اس کی ایک ہی قسم یعنی احسان فی العبادۃ ہی کو بیان فرمایا گیا ہے۔

کیا طریقہ اختیار کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ ہماری عبادت کو پسند اور قبول فرمائیں؟ اس سوال کا جواب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح عنایت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو جیسے تم انھیں دیکھ رہے ہو۔ اگر تم حق تعالیٰ کے سامنے انھیں دیکھتے ہوئے ان کی کوئی عبادت کرتے اس وقت تمہارے باطن و ظاہر کی جو کیفیت ہوتی وہی کیفیت عبادت کے وقت مطلوب ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ وہ کیفیت کیسے پیدا ہو جبکہ اللہ تعالیٰ ہماری نظروں کے سامنے نہیں۔ اس شکل میں اس واقعہ اور حقیقت کو مستحضر کرنا ہے کہ حق تعالیٰ جل شانہٗ ہمیں دیکھ رہے ہیں جب کوئی عبادت اس تصور کو مستحکم کر کے کی جائے گی تو یقیناً عابد اس کے باطنی و ظاہری آداب کی پوری پوری رعایت رکھنے کی انتہائی کوشش کرے گا اور یہ آداب کی رعایت ہی وہ چیز ہے جس کا نام احسان ہے۔ عبادت کا یہی حسن ہے جو اسے معبودِ حقیقی کے دربار میں خلعتِ قبول سے سرفراز کر سکتا ہے۔

عبادت کی قسمیں متعدد ہیں اور ان کی نوعیتوں کے لحاظ سے ان کے آداب باطنی و ظاہری میں بھی اختلاف ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ ہر عبادت کا احسان "کچھ جداگانہ خصوصیات کا حامل ہے۔ اگرچہ اس کا مندرجہ مفہوم جو حدیث میں مذکور ہے۔ سب اقسام میں قدرِ مشترک کی حیثیت رکھتا ہے۔ عمل کو آسان بنانے کے لئے مستحسن ہوتا ہے کہ عباداتِ مندرجہ حدیث مذکور میں سے۔ ہر ایک کی احسانی خصوصیتوں پر کسی قدر روشنی ڈالی جائے۔

احسان فی الصلوٰۃ

نماز میں احسان کے معنی یہ ہیں کہ اس میں اخلاص کے ساتھ خشوع اور خضوع ہو۔

اخلاص کے معنی یہ ہیں کہ نماز پڑھنے کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی اور ثوابِ آخرت ہو اس کے علاوہ کوئی مقصد پیشِ نظر نہ ہو۔ اخلاص درحقیقت توحید کی اخلاقی شکل اور ایمان سے پیدا ہونے والی ایک حقیقت ہے۔ جس قدر توحید کامل ہوگی اسی قدر اخلاص بھی زیادہ ہوگا اور اس کے بغیر صرف نماز ہی نہیں بلکہ کوئی عبادت بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شرفِ قبول نہیں حاصل کر سکتی۔

خشوع کے معنی سکون کے ہیں۔ نماز میں اس کے معنی ہیں خیالات میں یکسوئی ہونا۔ یعنی بندہ پورے طور پر حق تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے اور افکار و خیالات کا رخ حق تعالیٰ کے علاوہ کسی دوسری شے کی طرف نہ ہو اس توجہ کی مختلف شکلیں ہیں (۱) حق تعالیٰ کی ذاتِ اقدس کی طرف متوجہ رہنا اور یہ تصور کر کے نماز میں مشغول ہونا کہ حق تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں۔ قیامت کے حالات اور حق تعالیٰ کے سامنے حاضری کا تصور کرنا۔ جنت و دوزخ کی نعمتوں اور مصیبتوں کا اجمالی خیال کرنا۔ اس طرح کہ اس واسطے سے حق تعالیٰ کی صفتِ رحمت و غضب کی طرف ہو۔ (۲) نماز میں جو کچھ پڑھا جاتا ہے اس کے معنی یا الفاظ کی طرف متوجہ رہے۔ اس کے ساتھ قلب حق تعالیٰ کی محبت، عظمت اور ان کے خوف کے جذبات سے پر ہو۔ یہ سب شکلیں خشوع کی ہیں۔ طبیعتیں مختلف ہوتی ہیں جس طریقہ سے مناسبت ہو وہی اس کے لئے زیادہ مفید ہوگا۔ خضوع کے معنی ہیں اپنی حالتِ پستی احتیاج و انکسار کا اظہار کرنا۔ مصلی کی ظاہری حالت اور وضع ایسی ہونا چاہیے جس سے اپنی عاجزی و مسکنت اور حق تعالیٰ کی محبت اور عظمت کا اظہار ہو رہا ہو اور دیکھنے والے کو صاف نظر آئے کہ ایک بندہ عاجز و محتاج اپنے حاکم و مالکِ حقیقی کے سامنے کھڑا ہوا ان کی خوشامد میں مصروف ہے۔

زکوٰۃ میں احسان کے معنی یہ ہیں کہ قلب کے نشاط اور دلی خوشی و مسرت کے ساتھ ادا کی جائے۔ اس کے ساتھ اخلاص کامل ہو یعنی سوائے ادائے فرض اور رضائے الٰہی و ثوابِ آخرت کے کوئی غرض نہ ہو اخلاص تو ہر عبادت میں لازم ہے مگر فرض و واجب صدقات اور صدقاتِ نافلہ میں اس کے حصول کے طریقے میں تھوڑا سا فرق ہے۔ نفل صدقات میں اخلاص پیدا کرنے یا اسے باقی رکھنے کے لئے انکا چھپا کر دینا بہت بہتر بلکہ قریب ضروری ہے۔ بخلاف اس کے کہ فرض اور واجب صدقات کو علی الاعلان ادا کرنا بہتر ہے تاکہ دوسروں کو ترغیب ہو۔

بقیہ، اندلس کی وادیوں میں

اس میں سوراخ کیا اور چیتھڑے لگا کر ان ... ... سے پانی اس غریب پر ٹپکایا گیا!

محکمہ احتساب دینیہ کی ان سختیوں کو جھیلنا مسلمانوں کے اندر باعثِ فخر و امتیاز ہو گیا تھا اس لئے کہ ان سخت سخت سزاؤں کی وجہ صرف یہ تھی کہ یہ مسلمان (در پردہ سہی) مگر دینِ اسلام پر کیوں قائم ہیں۔ چنانچہ جب محکمہ احتساب کی طرف سے کسی کو سزا ملتی تھی تو مسلمان اس کو شہید سمجھتے اس کی قدر و منزلت سب میں بڑھ جاتی تھی۔ عدالتِ احتساب کی کھڑی کی ہوئی پھانسی پر چڑھنا بہت بڑی عزت کا باعث سمجھا جاتا تھا۔ عقوبت دینیہ کے سزایافتگان سے بڑی امیر عورتیں شادی کرنے پر تیار ہو جاتی تھیں گستبل گار کے بہت سے مورخین کو تازیانہ کی سزا دی گئی ایک دو روز بعد جلاد اپنی فیس انھیں لوگوں سے وصول کرنے کے لئے آیا۔ ایک شخص سے اس نے فیس مانگا تو اس نے دینے سے انکار کیا اور کہا کہ تم نے میرے تازیانے نہیں لگائے ہیں۔ تحقیقات سے معلوم ہوا کہ واقعی غلطی سے اس شخص کے تازیانے نہیں لگے اس لئے اس کو بھی تازیانے لگا دیئے گئے اور وہ شخص تازیانے کھا کر بہت خوش ہوا۔

(باقی آئندہ)

عربی سے ترجمہ ... ... شفیق الرحمٰن ندوی

فریضۂ حج کی حکمت
اور
اس کے فوائد

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

اسلام میں حج ایک ایسا فریضہ ہے جو اس کو دوسرے تمام مذاہب پر برتری اور تفوق عطا کرتا ہے اور امت مسلمہ کو دنیا کی دوسری قوموں کے مقابلہ میں ایک خاص امتیاز بخشتا ہے۔ اسی کے طفیل میں اس امت کا تعلق اس کے فکری اور روحانی مرکز اور دینی سرچشمہ سے اب تک قائم ہے اور امت مسلمہ اس سے مسلسل روحانیت اور اخلاقی حاصل کرتی رہتی ہے اور واقعہ بھی یہ ہے کہ اس مرکز کو امت مسلمہ کے لئے دنیا کے ہر خطے اور تاریخ کے ہر دور میں منبع فیض و روحانیت اور زندگی کا اعلیٰ نمونہ اور اسوہ ہونا چاہئیے۔

حج ہی کی کرامت ہے کہ دین اسلام ہر قسم کی تحریف اور رد و بدل سے محفوظ ہے اور امت مسلمہ کا تعلق اس کے اصل مرکز سے ختم نہیں ہوا ہے اور وہ اب تک دین کے بارے میں ان سازشوں اور غلطیوں سے بالکل پاک ہے جب کا شکار دنیا کی اکثر قومیں ہو چکی ہیں۔ وہ اسی کی بدولت اپنے ابراہیمی مزاج کی حفاظت کرے گا۔ اور اس کی ہر نسل آنے والی نسل کے لئے دین اسلام کی ساری خوبیاں اور اس کے سارے محاسن وراثت میں منتقل کرتی رہے گی جس طرح ایک زندہ و طاقتور اور سدا بہار دل جسم کی ساری رگوں میں زندگی کا تازہ و صحت بخش خون دوڑاتا ہے۔ اسی طرح ملت ابراہیمی دنیا کے تمام خطوں میں ایمان و یقین کی قوت بخشتی ہے اور سب کو ایک مرکز میں جمع کرتی ہے اور اس کی وجہ سے علمائے دین غلو کرنے والوں کی تحریف اور باطل پرستوں کی ایجاد و تبلیغ اور جاہلوں کی غلط تاویلوں اور دین کو پیشہ بنانے والوں کے خرافات کا قلع قمع کرتے ہیں۔ اور اس امت کو پھر اس کے اصل و منبع ملت حنیفی اور شریعت محمدی اور دین خالص کی طرف لے جاتے ہیں اور اس کی وجہ سے امت مسلمہ اپنی دینی و فکری عقلی و ثقافتی وحدت کی حفاظت کر سکتی ہے۔ اس کی ابراہیمی وحدت اور اس کے محمدی و اسلامی رنگ میں کسی قسم کا مقامی یا جغرافیائی جذبہ اس طرح اثر انداز نہیں ہو سکتا کہ اس کی ملی وحدت کو پارہ پارہ کر دے جس طرح دنیا کی دوسری قوموں کا حال ہوا

اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لئے مقدر کر دیا تھا کہ اسے مختلف اور متضاد قسم کے ماحول کا سامنا کرنا ہوگا۔ دنیا کے ہر خطہ میں اسے اسلام کا جھنڈا بلند کرنا ہوگا۔ اس پر مختلف و متضاد قسم کے دور گزریں گے۔ کبھی نشاط و قوت کا دور ہوگا، کبھی بے دلی و پژمردگی اور جمود کا دور آئیگا اور زمانے کے دوسرے اثرات اور تحریکوں سے اس کو مقابلہ کرنا ہوگا، کبھی سیاسی و مادی دلفریبیاں اس کو بہکائیں گی تو کسی وقت تہذیب و تمدن میں وہ ترقی کریں گے اور دولت و ثروت کی فراوانی ہوگی تو کبھی تنگدستی و فقر و فاقے کی زندگی گزرے گی۔ کبھی عیش و تنعم کی زندگی ہوگی تو کبھی عسرت و تنگدستی کے بادل چھائے ہوئے ہوں گے۔ کبھی جابر و ظالم حکمران ان پر مسلط ہوں گے۔ اس لئے اس امت کے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ وقتاً فوقتاً اس کے جذبۂ ایمان کو غذا ملتی رہے۔ اور عشق و محبت کو تازگی بخشی جاتی رہے، دوستی و وفاداری کا سبق دہرایا جاتا رہے اور جسم و جان کو پوری زندگی و تابندگی حاصل ہوتی رہے۔ حج ایمان کے لئے موسم بہار ہے اس میں زندۂ جاوید درخت کی ہر شاخ نئی پتیوں اور کونپلوں سے ہلہا اٹھتی ہے اور یہ عالمی درخت ہر سال ایک نیا زرق برق لباس زیب تن کرتا ہے۔

اس موسم حج میں دنیا کے چپے چپے سے اللہ تعالیٰ سے تعلق جوڑنے والے مخلص، صالح، دائمی آہ و زاری کرنے والے صاحب احوال و صاحب دل لوگ آتے ہیں جن کی آہ و بکا، ابتہال و تضرع الی اللہ کی وجہ سے خشیت و روحانیت کی ایک ایسی فضا تیار ہو جاتی ہے کہ سخت سے سخت دل بھی نرم پڑ جاتے ہیں اور خدا کی مسلسل نافرمانی کرنے والے اور جری دلوں میں بھی اس کا خوف سما جاتا ہے اور خشک آنکھیں بھی رواں ہو جاتی ہیں اور دنیا کے ہر گوشے سے آنے والے مسلمان اپنے ایمان کو قوت و تازگی بخشتے ہیں اور ایمان و محبت اور دوام و رجولیت کا توشہ بنتے ہیں جس کے سہارے اپنی بقیہ زندگی گزارتے ہیں۔

اور اس کے ذریعے ہر قسم کی لالچ بہکاوے، خوف و دہشت کا مقابلہ کرتے ہیں اور اس توشہ میں اپنے ان بھائیوں کو بھی شریک کرتے ہیں جو کسی عذر کی بنا پر نہیں پہونچ سکے۔ اس طرح ایمان کی ایک لہر امت کے سارے جسم میں دوڑ جاتی ہے جو دنیا کے گوشے گوشے میں آباد ہے۔ اور جاہل، تعلیم یافتہ کمزور، طاقتور۔ اور کم ہمت جواں مرد ہو کر سامنے آتا ہے۔

حج کے ذریعے قومیت اسلامیہ کا مظاہرہ ہوتا ہے جس کی بنیاد صرف عقیدہ توحید اور ابراہیم اور محمد علیہما ...... الصلوٰۃ والسلام سے تعلق جوڑنے اور ان اعلیٰ قدروں کے اختیار کرنے پر ہے جن کے لئے ہر دور میں اللہ کے رسولوں نے ہر طرح کی قومیت، وطنیت، فرقہ واریت اور لسانی تفریقوں کا مقابلہ کیا لیکن افسوس ہے کہ آج بہت سے مسلم ممالک کے مسلمان اس کے شکار ہو چکے ہیں۔ لیکن اس موسم میں تمام ممالک کے باشندے اپنے قومی لباس وطنی روایات اور خصوصیات کو چھوڑ کر صرف ایک رنگ میں رنگ جاتے ہیں۔ حاکم و محکوم۔ چھوٹے بڑے مالدار و غریب کی تمیز بالکل ختم ہو جاتی ہے۔ سب کے جسم پر احرام کا خاص لباس ہوتا ہے۔ قومی لباس کے بارے میں متعصب سے متعصب شخص بھی اس وقت سب کچھ بھول جاتا ہے اور سب ایک زبان ہو کر یہ کہتے ہوئے سنائی دیتے ہیں:۔

لبیک اللھم لبیک۔ لبیک لا شریک لک لبیک، ان الحمد والنعمۃ لک والملک لا شریک لک۔

اسی طرح اسلامی قومیت کا ظہور لباس اور آواز دونوں میں ہوتا ہے۔ حالانکہ یہی دو چیزیں ایسی ہیں جس کے ذریعے ایک ملک کا باشندہ دوسرے ملک کے باشندے سے ایک قومیت کا حامل دوسری قومیت کے حامل سے ممتاز ہوتا ہے، اسی طرح مناسک حج کی وحدت میں بھی اسلامی قومیت کا خصوصیت کے ساتھ اظہار ہوتا ہے۔ عربی عجمی ہندی۔ ترکی۔ ایرانی سب ایک ہی گھر کا طواف کرتے ہیں۔ صفا و مروہ کے مابین سعی کرتے ہیں ان میں سے ایک ایک حاجی منیٰ جاتا ہے اور عرفات میں وقوف کرتا ہے اور ایک ہی جگہ سب کی شب باشی ہوتی ہے۔

فاذکروا اللہ عند المشعر الحرام واذکروہ کما ھداکم وان کنتم من قبلہ لمن الضالین:

تمام حاجی ایک ہی جگہ سے لوٹتے ہیں:۔

ثم افیضوا من حیث افاض الناس و

استغفروا اللہ ان اللہ غفور رحیم"

اور ان میں سے ایک ایک حاجی کا قیام چند روز منیٰ میں ہوتا ہے اور ایک ہی قسم کا کام سب کو کرنا پڑتا ہے۔ قربانی کرنا سر منڈانا اور رمی جمار۔ اس میں سب شریک ہوتے ہیں۔

اور جب تک فریضۂ حج قائم رہے گا اور یقیناً قیامت تک باقی رہے گا۔ اس وقت تک دنیا کے مسلمان قومیت اور فرقہ واریت کا شکار ہو ہی نہیں سکتے جس طرح آج بہت سی دوسری قومیں قومیتوں کا شکار ہو چکی ہیں اور ان کا وہ وطن جو انھیں فطرتاً محبوب ہے۔ جس سے انھیں جذباتی لگاؤ بھی ہے۔ کبھی ان کے لئے قبلہ و کعبہ نہیں بن سکتے ان کا قبلہ تو صرف ایک ہی بیت اللہ شریف ہے جس کی طرف ہر ایک کو رخ کرنا ہے۔ خواہ وہ شرقی یا غربی عجمی یا عربی۔ ہندوستانی ہو یا افغانی، یورپ کا مسلمان ہو یا جرمنی کا۔ دنیا کے کسی ملک کا باشندہ ہو اس کا قبلہ ایک ہے اور اس کا کعبہ وہی ہے۔ اس کو اسی کا حج کرنا ہے اور نمازوں میں اسی کی طرف رخ کرنا ہے۔

واذ جعلنا البیت مثابۃ للناس وامنا واتخذوا من مقام ابراھیم مصلی

دنیا کے ہر صاحب ایمان کے دل میں وہاں پہونچنے کی تڑپ ہوگی۔ اس کے لئے منتیں مانے گا اور وہاں دیدہ و دل فرش راہ کرکے آئے گا اور اپنی تشنگی بجھائے گا۔

یہ فوائد ہیں اور اسی قسم کے اور بہت سارے منافع ہیں جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے حج ہمارے لئے فرض قرار دیا۔ دراصل حج کے منافع اور فوائد کا احاطہ کر لینا ممکن نہیں۔

لیکن حج کے پورے موسم میں جو چیز سب سے زیادہ نمایاں اور سب پر چھائی رہتی ہے وہ ہے سوز محبت، فنائیت، عشق، بے خودی، وارفتگی۔ جسم کی باگ ڈور دل و جذبات کے سپرد کر دینا۔ محبت کرنے والوں اور عشاق الٰہی، جن میں سب کے پیشوا حضرت ابراہیم خلیل اللہ ہیں ان کی تقلید اور ان کی ایک ایک حرکت کی نقل کبھی بیخودی و وارفتگی کے عالم میں بیت اللہ کا طواف ہو رہا ہے تو کبھی حجر اسود کا بوسہ لیا جا رہا ہے۔ تو کبھی صفا و مروہ کے درمیان سعی ہو رہی ہے۔ پھر اس سعی میں حضرت ہاجرہ کی سعی سے مشابہت پیدا کی جا رہی ہے۔ بالکل وہی انداز وہی سنجیدگی، کبھی آہستہ چلنا کبھی یک بیک تیز چلنے لگنا یوم ترویہ کو منیٰ جانا۔ عرفات کی کھلی فضا میں قیام کرنا۔ دعائیں مانگنا، گڑگڑانا۔ آہ و بکا، مزدلفہ شب باشی، پھر منیٰ آکر سر کے بال کٹوانا۔ قربانی کرنا۔ اور سب سے آخر میں رمی جمار جو صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تقلید میں کرتے ہیں۔

محبین و عشاق کی نقل اور ان کی تقلید میں بھی اللہ تعالیٰ نے عجیب و غریب اثر رکھا ہے صرف نقل اتارنے اور مشابہت پیدا کرنے کے عمل میں عشق و محبت کا کچھ حصہ اسے بھی نصیب ہو جاتا ہے اور اس کے سرچشمہ سے اس کا تعلق جڑ جاتا ہے۔ جو لوگ سوز محبت کا مزہ چکھ چکے ہیں ان کے لئے اس سے بڑھ کر اور کوئی دلکش و دلفریب منظر نہیں ہوگا۔ لاکھوں اشخاص وارفتگی و بے خودی کے عالم میں اپنی ایک ایک حرکت اور ایک ایک نقل سے اسی واقعہ کو دہرا رہے ہیں جو آج سے ہزاروں سال پیشتر پیش آیا۔

لیکن اللہ تعالیٰ کو وہ واقعہ اتنا پسند آیا کہ ہمیشہ کے لئے اس کو ایک سنت و فریضہ قرار دے دیا اور تمام سچی تڑپ رکھنے والوں اور اخلاص سے لبریز دلوں سے یہ مطالبہ کیا کہ اس کو اپنی زندگی میں کم از کم ایک بار دہرا کر شیطان کو ذلیل و رسوا کریں، اپنے ایمان کو قوی کریں اور اس طرح وہ خلیل اللہ کی پیروی کریں ایسی صورت میں رحمت الٰہی کا نزول ہوگا۔ سکینت قلب انھیں اپنے دامن میں لے گی اور شیطان ذلیل و رسوا ہوگا۔

حج ایک ایسا موسم ہے جس میں لوگ روئے زمین کے چپے چپے اور عالم اسلام کے گوشے گوشے سے حاضر ہوتے ہیں تاکہ اپنے حصے کے منافع سمیٹیں اور آپس میں تبادلۂ خیالات کریں۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ آپس میں ایک دوسرے سے متعارف ہوں اور ایک مقصد اور مصلحت کے حصول پر ان کا اتفاق ہو جائے۔ لیکن صرف یہی حج کی واحد حکمت نہیں ہے۔ علاوہ ازیں حج کوئی سیاسی کانفرنس نہیں کیونکہ اگر یہی حج کی حکمت ہوتی جس کے لئے حج جیسی عظیم عبادت شروع ہوتی ہو، تو حج میں ایک ٹھہراؤ پیدا ہو جاتا۔ اس کی فضا ساکت اور پرسکون ہو جاتی۔ لیکن حج تو ایک اضطراب اور بے چینی کا نام ہے جس میں انسان ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتا رہتا ہے۔ ایک رکن سے فارغ ہو کر دوسرے رکن کی ادائیگی کی فکر کرتا ہے۔ اسی طرح اگر حج صرف سیاسی کانفرنس اور مسلمانان عالم کا آپس میں میل و اتحاد ہوتا تو یہ ایک ایسی دعوت ہوتی جس کا تعلق صرف علماء، زعماء اور ذہین و باخبر لوگوں کے ساتھ ہوتا۔ اسی طرح مسلمانوں کے مخصوص افراد کے ساتھ اس کا تعلق ہوتا۔ بے شک یہ بھی منجملہ حج کے فوائد کے ایک ہے لیکن یہی وہ مقصود اصلی نہیں ہے جس کے لئے حج جیسی عظیم عبادت مشروع ہوئی ہے اور اس کی ادائیگی مسلمانوں پر فرض کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

ومن اللہ علی الناس حج البیت ... ...

ومن الناس ... ...

[illegible]

*

کی تقلید میں کرتے ہیں۔

الیواقیت والجواہر

ابو المواہب عبد الوہاب بن احمد بن علی انصاری شافعی مصری المعروف بالشعرانی یا شعراوی، اپنے دور کے مشائخ جلال الدین سیوطی، زکریا انصاری، محمد شناوی علی خواص کے واسطے دینی علوم شرعیہ و باطنیہ کی تکمیل کی [illegible] میں قاہرہ میں انتقال کیا اور وہیں مدفون ہیں۔

اس کتاب میں عقائد سے بحث کی ہے اور اہل عقل اور اہل کشف کے عقائد میں تطبیق کی کوشش کی ہے اور اس کوشش میں کامیاب بھی رہا، [illegible] میں اس کتاب کی تالیف سے فراغت پائی۔ یہ کتاب مصر سے [illegible] میں شائع ہو چکی ہے اور [illegible] میں الکبریت الاحمر فی بیان علوم الشیخ الاکبر کے حاشیہ کے ساتھ بھی شائع ہو چکی ہے۔

یہ نسخہ کاتب محمد علی خاموشی ولد سلطان حسین خوشنویس کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔

لوامع الاسرار شرح مطالع الانوار

مطالع الانوار کا تعلق فن منطق سے ہے اس کا مصنف قاضی سراج الدین محمود بن ابی بکر ارموی المتوفی [illegible] ہے۔ یہ کتاب چار فصلوں پر مشتمل ہے (۱) عام امور (۲) جواہر (۳) اعراض (۴) العلم الالٰہی۔ اس کتاب کی مختلف شرحیں لکھی گئی ہیں سب سے پہلے اس کی شرح قطب الدین محمد بن محمد رازی المتوفی [illegible] جو وزیر غیاث الدین کے دربار سے تعلق رکھتا ہے لکھی اور اس کا نام لوامع الاسرار رکھا پھر اس شرح پر مولانا ابیوردی حسن بن علی شافعی المتوفی [illegible] مولانا داؤد اور مولانا عبد الرحیم شروانی نے حواشی لکھے۔

(باقی آئندہ)

(بہ سلسلۂ گزشتہ)

اندلس کی وادیوں میں

مولانا محمد اویس نگرامی ندوی

۱۵۶۷ء میں فلپ دوئم نے محکمہ احتساب کو ہدایت کی کہ مسلمان فقہا اور واعظین کے ساتھ بے حد سختی کی جائے کیونکہ وہ کفر یعنی اسلام کی تعلیم دیتے ہیں اور اس کا وعظ کہتے ہیں اسی طرح دایہ پر خوب سختی کی جائے کیونکہ وہ بچوں کو اصطباغ دینے سے بچائے رکھتی ہیں اور ان کا ختنہ کرا دیتی ہیں۔ صرف جبل الطارق سے ۷ لاکھ مسلمان ملک بدر کئے گئے۔ اشبیلیہ اور اس کے پاس کے شہروں کو نذر آتش کر دیا آگ لگاتے وقت یہ خیال رکھا گیا کہ نصاریٰ کی املاک محفوظ رہے مسلمانوں کے معابد، مکانات، باغات کھیت، بنگلے کارخانے منڈیاں، مدارس و شفاخانے چن چن کر جلا دیئے گئے شہر تونس کے مسلمانوں کو مساجد، مدارس و خانقاہ اور مکانات سے نکال کر تین روز تک برابر ذبح کیا گیا ان کے خون سے ندیاں بہا دی گئیں۔ اسی جنگ تونس و اسپین میں جن مسلمانوں نے خیرالدین پاشا کی فتح و نصرت کی گلمنت میں روزہ رکھے تھے اور دعائیں مانگی تھیں۔ ان میں سے اکثر کو جلا دیا گیا میدان عقاب میں تقریباً ایک لاکھ مسلمان شہید کئے گئے ابدہ میں ایک ہفتہ میں ستر ہزار مرد چن چن کر جلا دیئے گئے۔ شاطبیہ میں مسلمانوں کو بہ جبر عیسائی بنایا گیا اس کے قصبہ البغا میں اعلان عام کیا گیا کہ اگر تین دن کے اندر سب مسلمان دین عیسوی نہ قبول کریں تو وہ زندہ جلا دیئے جائیں گے چنانچہ بیشتر مسلمانوں نے آتش نصرانیت میں جل کر آتش دوزخ اپنے اوپر حرام کرنی پسند کی۔

ایک طرف ظلم و ستم، قتل و غارتگری اور جبریہ تبدیل مذہب کی یہ گرم بازاری تھی۔ دوسری طرف اندلس کے مسلمانوں کو مجرم و ملزم بنانے اور اندلس سے ان کے نشانات مٹانے اور ان کی تہذیب کو ختم کرنے کی وہ تمام کوششیں جاری تھی جو ظالم و پست قوموں کا شیوہ ہوتی ہیں یہ دردناک کہانی بھی مسٹر لی کی زبانی سننا مناسب ہے:

"مسلمانوں پر یہ الزام لگایا گیا کہ یہ افریقیوں کی جاسوسی کا کام کرتے ہیں اور عیسائیوں کے تمام تدابیر ان کو تبلاتے رہتے ہیں بلنسیہ، ارغون اور قسطونیہ کے مسلمان اپنے افریقی بھائیوں سے وصل و وسائل رکھتے ہیں جس سے مذہب مسیحی کو سخت خطرہ پیدا ہوگیا ہے۔ مسلمانوں کو ملک کا دشمن بتلایا گیا ہے اور حکم دیا گیا ہے کہ یہ لوگ سرکاری ملازمتوں سے محروم کر دیئے جائیں۔ مسلمانوں کے خلاف عام نفرت پھیلانے کی کوشش کی گئی اور دینی حکم نکالا گیا کہ جو شخص مسلمانوں سے بے ضرورت گفتگو کرے گا وہ سخت سزا کا مستوجب ہوگا۔

مسلمانوں سے عیسائیوں کے علیحدہ رکھنے کا راز یہ تھا کہ یہ ذلت آمیز ڈر لگا ہوا تھا کہ دونوں کے خلا ملا سے مذہب مسیحی کچھ حاصل کرنے کے بجائے اپنے گرہ سے کھو بیٹھے گا۔"

مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ اگر کہیں عشاء ربانی لیجایا جاتا ہو تو فوراً گھٹنا ٹیک کر کھڑے ہو جائیں۔ عیسائیوں کے تیوہاروں کا احترام کریں۔ نئی مساجد کی تعمیر نہ کریں ۱۵۱۲ء میں ایک نو تعمیر مسجد کے متعلق محتسب بلنسیہ نے حکم دیا کہ اس کو اس طرح منہدم کر دیا جائے کہ اس کا نشان بھی باقی نہ رہے۔ قدیم مساجد کو گرجا بنانے کی تمام کوششیں کی گئیں بعض مسجدوں یا ان کے دروازوں پر حضرت مسیح علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام کی تصاویر لگا دی گئیں

مسلمانوں کو عربی لباس سے روکا گیا اور ایک خاص لباس پہننے پر مجبور کیا گیا۔ ان کو حکم ہوا کہ وہ ایک بلا لگائیں۔ یہ حکم صرف ذلیل کن ہی نہیں تھا بلکہ خوفناک بھی تھا۔ کیونکہ جو شخص یہ خاص لباس پہنے ہوئے ہوتا یا بلا لگائے ہوتا اس کے ساتھ ہر وقت بدسلوکی کی جاسکتی تھی۔ چنانچہ جب اس حکم کا پورا نفاذ ہوگیا تو بے شمار آدمی عام راستوں پر قتل کئے گئے۔

صرف یہی نہیں کہ عربی لباس پہننے کی ممانعت ہوئی بلکہ درزیوں کو روکا گیا کہ وہ اسلامی وضع کے کپڑے نہ سیئیں سنار مسلمانوں کے وضع کے زیور نہ بنائیں بچے کی پیدائش کے وقت عیسائی دایہ سے کام لینے کی تاکید کی گئی تاکہ پیدائش کے وقت کوئی اسلامی رسم نہ ادا کی جائے اس کی نگرانی کا اہتمام کیا گیا کہ ان لوگوں کے پاس ہتھیار نہ رہیں۔ یکم دسمبر ۱۵۰۱ء کو فرمان جاری ہوا کہ نو عیسائی ظاہر یا پوشیدہ طور پر ہتھیار نہ رکھنے پائیں۔ اگر کوئی اس کا مرتکب ہو تو پہلے جرم میں ضبطی جائداد اور دو ماہ کی سخت قید اور دوسری مرتبہ سزائے موت۔

زبان کے سلسلے میں اس قدر تعصب برتا گیا کہ شہروں کے اسلامی نام مٹا کر نصرانی طرز کے نام رکھے گئے مثلاً 'قراطہ' کا نام 'طارزن' مدینہ زہرا کا نام پنا شور رکھا گیا۔ حکم دیا گیا کہ عربی زبان نہ استعمال کی جائے اور تین برس کے اندر اندر قشتالی زبان سیکھ لی جائے۔ اس کے بعد کسی کو عربی پڑھنے لکھنے کی اجازت نہ ہوگی۔ نہ اپنے گھروں میں نہ علی روس الاشہاد اور جتنی دستاویزیں عربی میں لکھی ہوں گی۔ سب کالعدم متصور ہوں گی۔ مشورہ کیا گیا کہ کسی لڑکی کی شادی کی اسوقت تک اجازت نہ دی جائے جب تک وہ اصول دین (عیسوی) کو اس زبان میں نہ سمجھے اور تیوہاروں میں یہ شرط لگائی گئی کہ جو شخص گرجا میں جتنی مرتبہ عربی بولے اسے اتنی ہی مرتبہ جرمانہ کیا جائے ایک موقع پر غرناطہ میں عربی زبان اور عربی لباس پر ٹیکس لگایا گیا چنانچہ ۱۵۶۲ء میں اس ذریعہ سے بیتیس ہزار روکٹ خزانہ شاہی میں داخل ہوئے۔

نئے حاکموں کو سب سے زیادہ فکر آنے والی نسلوں کی تھی گو جوان اور سن رسیدہ لوگوں کو نصرانی بنانے کا کام برابر جاری تھا مگر ان کی امیدیں ان نو عیسائیوں کی اولاد سے لگی ہوئی تھیں۔ چنانچہ جن لوگوں کو جبراً عیسائی کیا گیا ان کے خلوص پر خود ان ستمگروں کو بھروسہ نہ تھا مگر ان کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ اگر ان مسلمانوں کے بیٹے دیندار نہیں ہیں تو نہیں سہی۔ جب پوتوں کی پرورش کلیسا کے زیر اثر ہوگی تو وہ اپنے باپوں سے بہرکیف بہتر ہوں گے۔ اس لئے جب سلطنت قشتالہ سے مسلمان مرد اور عورتوں کو ملک بدر کا حکم دیا گیا تو بچوں کو اس سے مستثنیٰ کر دیا گیا۔ تاکہ ان کو ان کے والدین سے جدا کر کے عیسائیوں کی تربیت میں رکھ کر کے عیسائی بنالیں۔ نیز جب پورے اندلس سے مسلمانوں کو منظم طریقہ سے جلا وطن کیا گیا اس وقت بھی بچوں کے مسئلہ نے بڑی اہمیت اختیار کرلی تھی اس سلسلہ میں جو وحشیانہ طریقہ اختیار کئے گئے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ علماء دین مسیحی کے مشورے سے وائسرائے کی بیوی کی سرکردگی میں انتظام کیا گیا کہ مسلمانوں کے جتنے بچے چرائے جاسکیں چرائے جائیں۔ اس نیک دل خاتون نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ اس نے بہت سی حاملہ عورتوں کو پکڑوا لیا کہ جب بچے پیدا ہوں وہ اصطباغ پائیں۔ اسی دار و گیر میں سپاہیوں نے ہزاروں بچوں کو پکڑ کر معمولی قیمت پر فروخت کر ڈالا بڑی کوشش یہ کی گئی کہ آئندہ نسل کے لئے ایسی صورتیں اختیار کی جائیں کہ وہ پوری عیسائیت کے رنگ میں رنگ جائیں۔ چنانچہ زمینداروں کو حکم دیا گیا کہ وہ مدارس قائم کریں اور سات سال سے بارہ سال کی عمر تک کے

بچوں کو وہاں پڑھوائیں۔ لڑکیوں کو دیروں اور خانقاہوں میں داخل کریں یا پرانے عیسائیوں کے گھروں میں بھیجدیں ایک موقع پر حکم جاری کیا گیا کہ تین اور پندرہ برس کے جتنے بچے ہیں سب کو پکڑ کر مدرسے میں داخل کر دیا جائے اور ان کو اصول دین مسیحی اور قشتالی زبان کی تعلیم دیجائے

سطور بالا میں جو کچھ پیش کیا گیا وہ ایک ظالم وحشی اور سفاک قوم کے اعمال سیاہ کا ہلکا نمونہ ہے مگر اس سے خوب اندازہ ہوگیا ہوگا کہ جب کوئی ننگ انسانیت قوم کسی دوسری قوم کو تباہ اور برباد کرنا چاہتی ہے تو اس کے لئے کیا کیا تدبیریں کرتی ہے اور مظلوم و مجبور قوم کے لئے "نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن" کی جیسی دردناک صورت پیدا ہو جاتی ہے۔

اس موقع پر قدرتاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان حالات میں مسلمانان اندلس نے اپنے لئے کیا راستہ منتخب کیا اور اپنے دین مذہب کے لئے انھوں نے کیا قربانیاں پیش کیں۔

اندلس کے نئے حکمران وہاں کے مسلمانوں کو عیسائی بنانے کی ہر امکانی کوشش کر رہے تھے۔ ترغیب و ترہیب کے تمام طریقے اختیار کئے جا رہے تھے لیکن اسلام کی جو حمیت دل میں گھر کر چکی تھی وہ جبر و تشدد سے بہ آسانی نہیں نکل سکتی تھی۔ بے شبہ مسلمان بے کس و بے بس تھے۔ قوت و اقتدار نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ غلامی کی زنجیر ان کی گردن میں پڑ چکی تھی مگر:-

مجھے اسیر کرو یا زباں کو بند کرو
مرے خیال کو بیڑی پہنا نہیں سکتے

تمام ظلم آرائیوں اور ستم انگیزیوں کے باوجود اسلامی عقائد اسلامی اعمال، اسلامی معاشرت ان مسلمانوں کو عزیز تھی اور وہ ہر قیمت پر اس کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔

خود ان ظالموں اور ستمگروں کو اپنی ناکامی کا اقرار تھا مشہور پادری فرے انٹونیو ڈی گیوارا اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:-

"بادشاہ کے حکم سے ہم نے تین سال تک بلنسیہ میں یہ کام کیا کہ مسلمانوں کے مجمعوں میں جا کر ان سے بحثیں کیں۔ مسلمانوں کے محلوں میں جا کر وعظ کیا اور ان کے مکانوں پر پہونچ کر ان کو اصطباغ دیا اپنی جو توہین کرائی سو الگ رہی"

اس خط میں آگے چل کر پادری مذکور یہ راز کی بات ظاہر کرتے ہیں کہ اسپین کے مسلمانوں کو (صدق دل سے) عیسائی بنانے میں ناکامی ہوئی[1] مسٹر لی کا بیان ہے کہ میٹرلوں اور المامین کے تمام باشندے ۱۵۲۵ء میں عیسائی ہوگئے۔ مگر چند روز کے لئے؛ دوسرے موقع پر لکھتے ہیں کہ جس مذہب کا طوق ان کے (یعنی مسلمانوں) گلے میں ڈالا گیا اس پر وہ چند ہی روز قائم رہے بعض لوگ تو تین ہفتہ سے بھی کم عیسائی رہے۔ بعض چند ماہ، جیسے ہی ان کو معلوم ہوا کہ خطرہ جاتا رہا انھوں نے پھر مسلمانوں کی راہ و رسم اختیار کرلی اور پہلے کی طرح مسجدوں میں نماز پڑھنے لگے[2] بلنسیہ میں جن ستائیس ہزار خاندانوں کو زبردستی اصطباغ دیا گیا تھا ان کا یہ حال تھا کہ جب وقت پانی چھڑکا جا رہا تھا تو یہ لوگ اپنے جسم کو چھپاتے پھرتے تھے تاکہ ان پر چھینٹ نہ پڑ جائے اور بہت سے آدمیوں نے اپنے کو اصطباغ سے بچا لیا۔ لیکن کھلی کھلی مخالفت تو مقام رگواسل میں ہوئی۔ قرب و جوار کے مسلمانوں نے یہاں آکر پناہ لی اور قصبہ کے دروازے بند کر کے بیٹھ گئے اس علاقہ کے لفٹنٹ گورنر نے فوجی سپاہی بھیج کر اس علاقہ کو لٹوا لیا لیکن اس حرکت سے بھی مسلمانوں پر کوئی اثر نہیں ہوا اور انھوں نے اپنی ضد کو نہیں چھوڑا۔

اس کتاب میں ایک موقع پر مسٹر لی کہتے ہیں کہ یہ مذہب تبدیل کرنے والے دل میں ایسے ہی مسلمان رہے جیسے پہلے تھے ان کے دل میں وہ نفرت و عداوت پیدا ہو گئی جو کسی طرح کم نہ ہونے والی تھی بلکہ دشمنی وراثۃً ان کی اولاد کو پہونچنے والی تھی وہ مذہب ان کے نزدیک سخت مبغوض تھا کہ جس کے قبول کرنے پر وہ یوں مجبور کئے گئے[3] یہ مشہور بات تھی کہ انھوں نے محض ظاہری طور پر اپنا مذہب تبدیل کیا تھا حقیقت میں وہ دل کے ہاتھوں اپنے آباء و اجداد کے دین پر قائم تھے حتیٰ کہ جہاں تک ان سے ہو سکتا تھا وہ اپنے فرائض دینی چھپ کر ادا کرتے تھے۔ حالانکہ اگر کسی کو معلوم ہو جاتا تو مستوجب سزا ہوتے صفحہ ۲۰ پر مصنف لکھتا ہے کہ مولدین ویسے کے ویسے ہی مسلمان رہے جیسے کہ ہمیشہ سے تھے۔

۱۵۴۰ء میں یہ طے ہوا کہ مسلمانوں کو وقت دیا جائے کہ اس دوران میں وہ مسیحی تعلیم حاصل کرلیں اس مقررہ وقت کے اندر ان پر کوئی مقدمہ وغیرہ نہ قائم کیا جائے لیکن اس مہلت نے شعائر اسلامی کے ادا کرنے میں بڑا نفع اٹھایا۔ چنانچہ انھوں نے کھلے طور پر رمضان کر دیا اپنے لڑکوں کا ختنہ کرایا۔ رمضان کے روزے رکھے۔ عیسائیوں کی مذہبی تعطیلات میں کام کرتے رہے گرجا کی نماز میں شامل ہونا چھوڑ دیا اور صاف کہہ دیا کہ ہم کو تیس برس ملے ہیں کہ اس میں ہم جس طرح چاہیں وہ سکتے اور اس سے ہم پورا فائدہ اٹھائیں گے۔

اندلس کے مسلمانوں پر ظلم و جبر نے زمین تنگ کر رکھی تھی۔ اور عیسائیت شمشیر برہنہ لئے سر پر کھڑی تھی۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ اللہ کے بندے اپنے امکان بھر احکام دینی کا خیال رکھتے تھے۔ کٹالینا نامی ایک خاتون بحلف بیان کرتی ہیں کہ وہ بارہ برس تک ان مولدین میں رہ چکی ہیں اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ مولدین نہ سور کا گوشت کھاتے ہیں نہ شراب پیتے ہیں اور یہ عذر کرتے ہیں کہ دونوں چیزیں ان کے موافق نہیں آتی ہیں[4] "ڈیمیل" پر بڑے بڑے حملے کئے گئے۔ مگر وہاں سے اسلام کی جڑ نہ اکھڑ سکی۔

محکمہ احتساب کی سخت سے سخت سزائیں یہ مسلمان برداشت کرتے تھے مگر ان کا دل اسلام کی طرف سے نہ ہٹتا تھا۔ ڈیمیل کی رہنے والی ایک مسلمان خاتون کو اس جرم میں گرفتار کیا گیا کہ وہ در پردہ صادق مسلمان تھی۔ وہ اسی پر قائم رہنا چاہتی تھی محکمہ کی کوشش تھی کہ عورت اقرار کرے کہ عیسائیت قبول کرنے کے باوجود دین اسلام کو اختیار کئے ہوئے ہے مگر اپنی جیتی کی جان بچانے کے لئے وہ اقرار نہ کرتی تھی آخر ۸ جون ۱۵۴۱ء کو اس خاتون کو تعذیب کے کمرے میں پہنچایا گیا اور اس کو برہنہ کر کے عذاب دیا گیا۔ تب جا کر کہیں اس نے یہ اقبال کیا۔ ۲۰ جون کو اس کو یہ سزا دی گئی کہ وہ پھر سے عیسائی ہو اس کی جائداد ضبط کی جائے اس کو حبس دوام کیا جائے عمر بھر ذلیل کن لباس پہنے کچھ دنوں بعد اسے سزا سے رہائی ملی۔ لیکن اس رہائی کے بعد اسلامی مراسم ادا کرنے کے جرم میں ڈیمیل کی تین عورتوں کے ساتھ وہ پھر گرفتار ہوئی۔ اس پر یہ الزام لگایا گیا کہ مذہب عیسائی کی بنا پر شادی کرنا ممنوع تھا اور اس کی زبان سے تین دفعہ "اللہ" سنا گیا تھا محکمہ احتساب نے اس عورت کو جو سزا دی وہ بھی دل کلیجہ تھام کر سننے کے لائق ہے۔

ایک مضبوط باریک رسی لے کر اس غریب کے پیروں اور بازوؤں میں ۱۶، ۱۷ بند خوب ہی کس کس کر باندھ دیئے گئے اور پھر اس کو ایک باریک شکنجہ میں کھینچ دیا جس کی ساخت ایسی تھی کہ آدمی کا سر پیروں سے بھی نیچے رہتا تھا۔ شکنجہ میں کس کر دہی رسی بڑے زور سے سر میں کس کر باندھ دی گئی۔ دو مٹکیوں میں پانی بھر کر

(باقی ص ۳۳ پر)

[1] مسٹر لی ص ۲۸ [2] ایضاً ص ۸۹ [3] ایضاً ص ۲۸ [4] مولدین ص ۲۰

[1] از سفرنامۂ اندلس۔ قاضی ولی محمد۔ آئندہ سطروں میں بھی مسٹر لی کے متفرق بیانات کو اختصار کے ساتھ یکجا کیا گیا ہے۔

منزل بہ منزل

مولانا محمد علی مونگیریؒ کا اعلان حق

انگریزی تعلیم

مولانا محمد علی مونگیریؒ کو اس بات کی بڑی فکر تھی کہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو دینی علوم اور عربی زبان کی طرف توجہ ہو، اور اس کے دل میں ان علوم کی وقعت اور احترام پیدا ہو، لیکن اسی کے ساتھ بلکہ اس سے کہیں زیادہ مولانا کو اس کی فکر تھی کہ ہمارے طلبہ اور علماء جن کے ہاتھ میں امت کی زمام قیادت ہے انگریزی زبان اور جدید علوم سے بہرہ مند ہوں اور اس کو اسلام کی ترجمانی کا ذریعہ بنائیں اور نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کے مغرب زدہ طبقہ پر اثر انداز ہوں بلکہ یورپ میں جاکر اسلام کا پیغام پھیلائیں، اور اس کو جدید مادی تہذیب کے نقصانات سے آگاہ کریں منشی سعید الدین صاحب انسپکٹر کانپور کے نام ایک طویل اور مفصل خط میں (جو ان کے خط کے جواب میں لکھا گیا تھا) مولانا نے اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث کی ہے اور پوری قوت کے ساتھ انگریزی زبان کی تعلیم اور جدید علوم کے حصول پر زور دیا ہے لیکن اس کے حدود اور فوائد و نقصانات کی رعایت کرتے ہوئے۔

جدید نظام تعلیم پر مولانا کی تنقید

اس خط میں مولانا نے کالجوں اور یونیورسٹیوں کے نظام تعلیم پر نکتہ چینی بھی کی ہے اور جدید علوم مثلاً جغرافیہ اور تاریخ کی جو ضرورت سے زائد مقدار طلبہ کے دل و دماغ میں اتارنے کی کوشش کی جاتی ہے اس پر صحیح گرفت کی ہے، چنانچہ ایک جگہ بہت صراحت کے ساتھ مولانا نے لکھا ہے کہ:

"تاریخ اور جغرافیہ کا جاننا بہت ضروری ہے
مگر جس قدر انگریزی مدارس میں پڑھایا جاتا ہے
اس سے کوئی معتد بہ نفع نہیں ہے"

مولانا کی یہ رائے بڑی بصیرت اور عالمانہ تجربہ پر مبنی ہے اور ان کے فکری توازن اور گہرے مطالعہ کا نتیجہ ہے حقیقت یہ ہے کہ علم کا بڑا حصہ جو آج کل کالجوں اور یونیورسٹیوں میں پڑھایا جاتا ہے خواہ اس کا تعلق جغرافیہ و تاریخ سے ہو یا سائنس سے یا ادبیات سے اکثر ضائع ہوتا ہے بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ غیر ضروری تفصیلات میں پڑ کر طالب علم کا ذہن ایسا الجھتا ہے کہ ضروری اور مفید باتیں بھی اس کے ذہن میں محفوظ نہیں رہتیں اور اس کے وقت اور دماغ کا بڑا حصہ ان غیر علمی، بعید الوقوع اور امکانی مسائل اور جزئیات کی نذر ہو جاتا ہے[1]

انھوں نے اس زمانہ میں جب علماء انگریزی کی مخالفت کر رہے تھے، اور انگریزی تو بہت آگے کی چیز ہے خود اپنی مقرر کردہ درسیات میں معمولی تغیر و اضافہ اور رد و بدل کے روادار نہ تھے، بہت صاف اور واشگاف طریقے پر علماء کو انگریزی پر عبور حاصل کرنے کی دعوت دی۔ جغرافیہ و تاریخ اور دوسرے ضروری علوم کی اہمیت بتائی۔ یہ اعلان اس زمانے میں ایسا آسان نہ تھا جیسا ہم اس وقت سمجھتے ہیں۔ جو لوگ اس زمانہ سے واقف ہیں وہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہ مولانا کی حق پرستی اور اخلاقی جرأت کا ایک بڑا ثبوت ہے۔

پھر دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ اگر یہ آواز کسی ایسے شخص کی طرف سے بلند ہوتی جو تصوف سے ناآشنا اور اہل تصوف سے بیگانہ ہوتا تو کچھ زیادہ تعجب کی بات نہ تھی لیکن مولانا نے اس کو مرتبۂ ارشاد و اصلاح اور روحانی کمال کے منافی نہ سمجھا، بلکہ ؏

نوا را تلخ ترمی زن چو ذوق نغمہ کم یابی

پر عمل کرتے ہوئے اس تلخ نوائی کا فرض پوری طرح انجام دیا جس کی ہر دور جمود و انحطاط میں ہمیشہ ضرورت رہی ہے نامناسب نہ ہوگا اگر اس مکتوب کے جستہ جستہ ٹکڑے اس موقع پر پیش کر دیے جائیں۔ ایک جگہ لکھتے ہیں

"اس زمانہ میں حالت بدل گئی ہے وہ اعتراضات جو پہلے فلسفہ میں کئے گئے اب انھیں کوئی نہیں پوچھتا اور نہ وہ فرقے اعتراضات کرنے والے باقی رہے۔ اب ان کے اعتراضات اور جوابات سیکھنے کی ضرورت نہ رہی اب نیا عالم، نیا دانہ، نیا پانی ہے، جدید فلسفہ کی بنا پر اس زمانہ کے مخالفین اسلام نے نئے نئے قسم کے اعتراضات کئے ہیں جو پہلے نہ تھے۔ جن کا کافی طور سے جواب دینا قدیم فلسفہ کے جاننے سے نہیں ہو سکتا، اگرچہ کوئی کیسا ہی دعویٰ کرے، وجہ اس کی یہ ہے کہ معترض کا جواب شافی اس وقت ہو سکتا ہے جب اس کے منتہائے اعتراض کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ کس بنا پر اس نے اعتراض کیا ہے۔"

آگے چل کر لکھتے ہیں:۔

"یہ امر قدیم فلسفہ سے حاصل نہیں ہو سکتا کوئی عالم کیسی ہی تقریر کرے مگر جب تک وہ اس بات کو نہ اکھیڑے گا جو ان کے دل میں جمی ہے۔ ہرگز ان کا جواب شافی نہ دے گا اور وہ علوم انگریزی میں ہیں اس لئے انھیں انگریزی کا جاننا ضروری ہے۔"

یورپ میں اسلام کی تبلیغ کے لئے انگریزی کی ضرورت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"الغرض اس زمانے میں دینی و دنیاوی ضرورتیں ایسی درپیش ہیں کہ انگریزی زبان کا سیکھنا ضروری ہے اگرچند ہمارے علماء اس قدر انگریزی سے واقف ہوں کہ یورپ میں جاکر اسلام کے فضائل ان کی زبان میں بیان کریں تو بہت کچھ اسلام کی اشاعت ہو۔ اسی طرح اگر انگریزی میں رسائل لکھ کر مشتہر کرائے جائیں تو بھی بہت نفع ہو۔ غرض اس وقت دنیا میں بہت بڑا فرقہ جو اپنی سلطنت کے اعتبار سے اکثر روئے زمین پر حاوی ہے اس کی زبان انگریزی ہے۔ لہٰذا تبلیغ اسلام کے لئے ضروری ہے کہ انگریزی زبان سیکھی جائے کیونکہ اب ان کو غلبہ ہے اور مسلمان مغلوب ہیں اور غالب مغلوب کی زبان سیکھنے پر مجبور نہیں ہو سکتا لہٰذا اگر مغلوب کو ان سے ضرورت پیش آئے تو بالضرور اسے غالب کی زبان سیکھنی ہوگی۔ یہ تو دینی ضرورت تھی۔ اور دنیاوی ضرورتیں تو ہر کہ ومہ پر ظاہر ہیں۔ پھر کیسے ہو سکتا ہے کہ سب تارک الدنیا ہو جائیں کسی قسم کا برتاؤ اہل دنیا سے نہ رکھیں۔"

[1] احادیث میں "علم غیر نافع" سے پناہ مانگی گئی ہے۔ یہ علم غیر نافع، شاید یہی لاطائل مباحث ہیں جن کی ضرورت زندگی میں بہت کم پیش آتی ہے یا کبھی پیش نہیں آتی لیکن ہماری زندگی کا اہم ترین حصہ جس میں فکری نشو و نما ہوتا ہے اس میں بڑی بے دردی کیساتھ ضائع کیا جاتا ہے۔

براہ کرم
خط و کتابت کے وقت
خریداری نمبر کا ضرور حوالہ دیجئے!

حرم جارہا ہوں گنہگار ہو کر

مولانا محمد اسحاق سندیلوی ندوی

مئے حبّ احمد سے سرشار ہو کر
حرم جا رہا ہوں گنہگار ہو کر
جگر کے لہو سے نگاہوں کو دھو کر
چلا ہوں طلب گار دیدار ہو کر
طلب دید کی اور خطا کار ہو کر
یہ ہمت مری اور سیہ کار ہو کر
روش ہائے جنت مدینہ کی گلیاں
مگر پھر رہا ہوں گنہ گار ہو کر
طلب ان کی مشکل تو ملنا ہے آساں
ہوا کام یہ سہل دشوار ہو کر
کرم کی یہ ارزانیاں اللہ اللہ
انھیں پالیا جان بیمار ہو کر
غضب ناز تیرے بھی ہیں جان مضطر
نکل ہی گیا جاں سے بیزار ہو کر
رواں اشک آنکھوں سے سر کو جھکائے
کھڑا ہوں کرم کا طلب گار ہو کر
ہیں زخم دوزی بھی منظور لیکن
چبھے دل میں سوزن غم یار ہو کر
کیا حبّ احمد نے ہر غم سے فارغ
چھٹے قید سے ہم گرفتار ہو کر
مداوائے دل ہے شہید عشق احمد
شفا پا گئے ہم تو بیمار ہو کر

تضمین مخمس

از مولوی شاہ ظفر علی صوفی خیرآبادی

از تیزیٔ رفتار تو، افتد زمیں زیر قدم … گہ زیر گامت می شود چین و عرب بنم و عجم
می گویمت! اے صبا صد جان قربانت کنم … إن نلت یا ریح الصبا یوماً الی ارض الحرم

بلغ سلامی روضۃ فیہا النبی المحترم

از آتش ہجراں بسوزد استخواں، جان و دلم … گر من رسم از بخت یاور، در مدینہ جا کنم
تو اے نسیم صبحگاہی بشنو از لطف و کرم … إن نلت یا ریح الصبا یوماً الی ارض الحرم

بلغ سلامی روضۃ فیہا النبی المحترم

از درد فرقت می کشم حرمان و حسرت رنج و غم … داماں صبر و ضبط من از دست خود بگذاشتم
باد صبا! اینجا بیا، بشنو حکایت می کنم … إن نلت یا ریح الصبا یوماً الی ارض الحرم

بلغ سلامی روضۃ فیہا النبی المحترم

اے صوفیٔ اندوہ گیں، تا کے کشی ہجر و الم … گو از صبا عشق نبی در قلب خود شعلہ زغم
من یاس و حرماں رنج و غم درد و الم تا کے کشم … إن نلت یا ریح الصبا یوماً الی ارض الحرم

بلغ سلامی روضۃ فیہا النبی المحترم

خطبات نبوی

سلسل

جگر گوشۂ رسولؐ پر سوکن لانے کی ممانعت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اہم دینی و معاشرتی خطبہ

از حبیب الرحمن ندوی

حضرت فاطمہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکایت لیکر آتی ہیں کہ میں اپنی فریاد کس کے پاس لیکر جاؤں۔ لوگوں کا خیال ہے کہ اپنی بیٹیوں کی حمایت میں آپ غصہ بھی نہیں کریں گے، حضرت علیؓ کو دیکھئے انھوں نے بنت ابوجہل کو شادی کا پیغام دیا ہے" گو بظاہر تقریر کا یہ موقع نہیں لیکن انفرادی طور پر کچھ کہنے سے چند در چند غلط فہمیوں کے پھیلنے کا بھی احتمال ہے۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو جاتے ہیں اور حمد و ثنا کے بعد عام لوگوں کو خطاب فرماتے ہیں۔

اما بعد۔ انکحت ابا العاص بن الربیع فحدثنی و صدقنی ان فاطمۃ بضعۃ منی وانی اکرہ ان یسوءھا واللہ لا تجتمع بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وبنت عدو اللہ عند رجل واحد

(بخاری باب ذکر اصہار النبیؐ)

(میں نے ابو العاص بن ربیع سے اپنی بیٹی کا نکاح کیا انھوں نے مجھ سے جو بات کہی وہ سچ کہی۔ بے شک فاطمہؓ میرا پارہ گوشت ہیں میں اس بات کو گوارہ نہیں کرتا کہ اسے رنج پہونچے۔ خدا کی قسم رسول اللہ کی بیٹی اور عدو اللہ کی بیٹی ایک شخص کے پاس نہیں رہ سکتی۔

ایک دوسری حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں:۔

ان بنی ھشام بن المغیرۃ استأذنوا فی ان ینکحوا ابنتھم علی ابن ابی طالب فلا آذن ثم لا آذن ثم لا آذن الا أن یرید ابن ابی طالب ان یطلق ابنتی وینکح ابنتھم۔

(باب ذب الرجل عن ابنتہ فی الغیرۃ)

(بنی ہشام بن مغیرہ نے مجھ سے اس بات کی اجازت مانگی ہے کہ وہ اپنی بیٹی کو علی ابن ابی طالب کے نکاح میں دے دیں، مگر نہیں میں ہرگز اجازت نہیں دیتا۔ ہاں ابن ابی طالب اگر میری بیٹی کو طلاق دے دیں اور ابوجہل کی بیٹی سے بیاہ کرلیں تو بعیں اس کا اختیار ہے۔

آپ نے فرمایا:

انی لست احرم حلالا ولا احل حراما ولکن واللہ لا تجتمع بنت رسول اللہ وبنت عدو اللہ ابدا۔ ان فاطمۃ منی وانا اتخوف ان تفتن فی دینھا۔

(بخاری باب ما ذکر من درع النبیؐ)

(میں حلال کو حرام نہیں کرتا اور نہ حرام کو حلال کرتا ہوں، مگر خدا کی قسم رسول اللہ اور عدو اللہ کی بیٹیاں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکیں، فاطمہ مجھ سے ہے، مجھے خوف ہے دین میں ان کی آزمائش نہ کی جائے۔)

پورا خطبہ بخاری شریف کی متعدد روایتوں سے ماخوذ ہے۔ تمام روائتوں کے یکجا کرنے سے یہ بات خود بخود واضح ہو جاتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنت ابوجہل سے حضرت علیؓ کو شادی کرنے سے پہلے ہی منع فرما دیا تھا مگر اس کے بعد جب یہی بات دوبارہ بنی ہشام بن مغیرہ نے آپ کے سامنے پیش کی اور حضرت علیؓ سے جویریہ[1] کا نکاح کرنے کی اجازت مانگی تو آپ نے خطبہ دیا اور اس نکاح کی تاکید ممانعت فرمائی۔

خطبے کا ایک محرک یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اصل حقیقت سب لوگوں پر عیاں ہو جائے اور کسی غلط فہمی کے پھیلنے کا امکان باقی نہ رہے۔ انفرادی ممانعت سے ممکن تھا لوگ بنت ابوجہل سے شادی کرنا ہی درست نہ سمجھتے۔ ابو العاص کے نام میں اختلاف ہے بعض لوگوں نے ان کا نام مقسم بتایا ہے، بہرحال وہ اپنی کنیت ہی سے مشہور ہیں، سلسلۂ نسب یہ ہے۔ ابو العاص بن ربیع بن عبد العزیٰ بن عبد الشمس بن عبد مناف۔ ماں کا نام ہالہ ہے جو بنت خویلد اور اخت خدیجہ ہیں، ابو العاص ۶ھ میں مسلمان ہوئے حضرت زینبؓ کے ساتھ ان کا برتاؤ نہایت شریفانہ تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انھوں نے یہ وعدہ بھی کیا تھا کہ حضرت زینبؓ کی موجودگی میں کوئی شادی نہ کروں گا ابو العاص اگرچہ نبوت کے چھٹے سال مسلمان ہوئے لیکن یہ وعدہ انھوں نے پورا کیا جس کی طرف خطبے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کیا ہے۔ ہشام جویریہ کے دادا تھے۔ ان کے لڑکی بن ہشام بنت ابوجہل کے چچا تھے بعض روایتوں میں ہے حارث بن ہشام نے نکاح کی اجازت مانگی تھی لیکن بعض روایتوں میں عکرمہ ابن ابی جہلؓ ہشام کا نام لیا گیا ہے۔ بہرکیف، ہشام بن مغیرہ کا سلسلہ نسب یہ ہے۔ ابو الحکم عمر بن ہشام بن المغیرہ ان کے بھائی حارثؓ بن ہشام اور سلمہؓ بن ہشام فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے۔ عکرمہ ابن ابی جہل بھی اسی وقت مسلمان ہوئے۔

دور حاضر کے کچھ تجدد پسند حضرات اس خطبے سے نکاح ثانی کے عدم جواز پر استدلال بھی کرتے ہیں، لیکن سمجھ میں نہیں آتا یہاں نکاح ثانی کے عدم جواز کا کہاں حکم ہے؟ ممانعت تو ہے صرف رسول اللہ اور عدو اللہ کی بیٹیوں سے ایک ساتھ شادی کرنے کی۔

ہو سکتا ہے کہ سرسری مطالعہ سے کچھ لوگوں کے دل میں یہ بات آتی ہو کہ مخصوص حالات کے سوا اسلام میں نکاح ثانی کی اجازت نہیں کیونکہ اگر ایسی بات نہیں ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نکاح ثانی سے حضرت علیؓ کو منع کیوں فرماتے؟ لیکن یہ سوال تو اس وقت ذہن میں آسکتا ہے۔ جبکہ پہلے سے ذہن میں یہ بات بھی موجود ہو کہ شادی کرنے میں انجام و عواقب پر غور کرنے کی اسلام میں مخالفت ہے۔ بہرکیف یہاں مسئلہ کی جو نوعیت ہے اسے سمجھنے کے لئے چند باتوں کا ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔

(۱) خاندان ابوجہل فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوا ہے اور یہ واقعہ اس کے تھوڑے ہی دنوں بعد پیش آیا۔ اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس خاندان کا جو کردار رہا ہے اس کے پیش نظر یہ کامل یقین کس طرح ممکن ہے کہ یہ لوگ پورے خلوص کے ساتھ مسلمان ہوئے ہیں یا صرف شکست خوردگی اور اپنی اجتماعی قوت کی پراگندگی کی بناء پر! تھوڑے ہی دنوں پہلے کی تو بات ہے غزوۂ حنین کے مال غنیمت سے ان لوگوں کو بڑے بڑے انعامات دیئے گئے ہیں۔ مذبذب الاعتقاد نہ ہوتے تو تالیف قلب کی کیا ضرورت تھی پھر اس صورت میں جبکہ ہر طرف جنگ کے مہیب بادل منڈلا رہے تھے کسی ایسی عورت کا جس کا مذبذب الاعتقاد ہونا زیادہ قرین قیاس ہو خاندان نبوت سے قریب تر کر دینا کس طرح مصلحت کا تقاضی ہو سکتا تھا۔

(۲) ایک طرف حضرت فاطمہؓ ہیں جن کے دل پر بہنوں کی موت کا تازہ غم ہے، والدہ بھی زندہ نہیں دوسری طرف سوکن ان کو بنایا جا رہا ہے جس کا رشتہ ابوجہل جیسے انسان سے ہے جس کے ساتھ جانے کتنی ذہنوں کے کتنے تصورات

(بقیہ ص ۱۷ پر)

[1] جویریہ ابوجہل کی لڑکی کا نام ہے بعض محدثین نے اس کا کچھ اور نام بھی بتایا ہے۔ ماخوذ از فتح الباری ج ۹۔

تاریخ کے دریچے سے

زید بن عمرو

ایک موحد، مومن اور مردِ حق آگاہ

سعید الرحمن الاعظمی

قیامت کے دن وہ تنہا ایک امت بناکر اٹھائے جائیں گے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ وہ الفاظ تھے

جو زید بن عمرو بن نفیل کے متعلق آپ نے ارشاد فرمائے

زید بن عمرو جنھوں نے حق اور روشنی کی تلاش میں جان دے دی۔ یہودیت و نصرانیت سے بیزار اور مٹے توحید سے متوالے زید بن عمرو نے اپنی گمراہ قوم کے سامنے جب یہ اعلان کیا کہ "میرا خدا وہی ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خدا تھا، اور میرا دین حضرت ابراہیم کا دین ہے" تو اس کے جواب میں ان کو طرح طرح کی سزائیں برداشت کرنا پڑیں۔ ان کو ستانے کے لئے قوم نے منصوبے بنائے۔ گھر سے نکالے گئے۔ قوم سے علیحدہ کئے گئے، شہر بدر ہوئے۔ ہر طرح کی سختیاں سامنے آئیں لیکن زید بن عمرو عشق آلہی میں کچھ اس طرح گرفتار تھے کہ ان کو یہ سب باتیں نہایت معمولی نظر آئیں۔ وہ راہ حق میں اپنے خون کا ایک ایک قطرہ بہانے کی تمنا رکھتے تھے اور آخر کار ان کی یہ تمنا پوری ہوئی۔ ان کے خاندان ہی کے لوگوں نے ان کو قتل کر دیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کی غرض سے وہ شام سے مکہ آرہے تھے کہ راستے ہی میں شہید ہوگئے، یہ بعثت سے پہلے کا واقعہ ہے۔

زید بن عمرو نے اپنی قوم کو جب بتوں کے سامنے سر جھکاتے ہوئے اور ان کی پرستش کرتے ہوئے دیکھا تو ان کو سخت ملامت کی اور کہا کہ یہ بے جان پتھر تمہارے کس کام آسکتے ہیں جو تم نے ان کو اپنا خدا بنا رکھا ہے وہ مسجد حرام میں جب داخل ہوتے تو اپنی قوم کو مخاطب کر کے کہتے:

"اے اہل قریش خدا کی قسم تم نے ابراہیم علیہ السلام کے دین کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ لیکن میں تنہا اس دین پر قائم ہوں۔ پھر دعا کرتے اور کہتے کہ اے اللہ کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ تو کس بندے کو زیادہ محبوب رکھتا ہے تو اسی کے ذریعہ میں تیری عبادت کرتا۔

قریش کے لوگوں کو شرک و کفر میں اس طرح گرفتار دیکھ کر وہ سخت کبیدہ خاطر ہوتے اور ان کو متنبہ کرتے لیکن وہ کب ان کی باتوں کو سننے والے تھے وہ اور زیادہ خفا ہو کر ان کو تکلیفیں پہونچاتے گے۔

خطاب بن عمرو زید بن عمرو کے بھائی تھے مگر وہی سب سے بڑے دشمن بھی تھے۔ وہ زید بن عمرو کو ایذا پہونچانے ان کو ستانے اور برادری کی فہرست سے خارج کرنے میں سب سے آگے رہے۔ انھوں نے اپنے بھائی کو پہلے آزمائشوں میں ڈالا جب وہ اس کو بھی برداشت کر گئے تو ان کو مکہ سے نکال دیا اور زید بن عمرو کا داخلہ اب مکہ میں ممنوع ہوگیا کوئی شخص ان کو پناہ نہیں دے سکتا تھا اور نہ کسی طرح کی ہمدردی کا اظہار ان سے کر سکتا تھا۔

زید بن عمرو مکہ سے نکل کر جبل حرا میں پناہ گزیں تھے خطاب بن عمرو کے کارندے قریش کے جاہل نوجوان رجو جید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ستاتے تھے) زید بن عمرو کی نگرانی کرتے تاکہ وہ پہاڑ سے نکل کر کسی طرح مکہ میں نہ داخل ہو جائیں۔ اور قوم کو گمراہ نہ کر سکیں۔

جب پابندی حد سے بڑھ گئی اور زید بن عمرو پر عرصۂ حیات تنگ ہو گیا تو وہ اپنے وطن اور اہل و عیال کو چھوڑ کر مکہ سے نکل گئے اور دین حق کی تلاش میں انھوں نے پورے جزیرۂ عرب کو چھان ڈالا۔ متعدد راہبوں سے ملے اور ان سے دین ابراہیم کے متبعین کے متعلق سوال کیا لیکن ان کو کسی ایسی جگہ کا پتہ نہیں چلا جہاں ملت ابراہیمی پر قائم رہنے والے لوگ موجود ہوں۔

بالآخر وہ شام پہونچے اور مقام بلقاء میں ٹیلہ پر قیام کرنے والے ایک راہب سے ملے۔ بلقاء اس وقت نصرانی علماء کا مرکز تھا۔

"راہب نے ان کو دیکھ کر پوچھا کہ تم کون ہو؟

میں خانہ کعبہ کے شہر وادی غیر ذی زرع کا رہنے والا ہوں، زید بن عمرو نے جواب دیا،

پھر دریافت کیا کہ دین ابراہیمی کے ماننے والے کہاں پائے جاتے ہیں؟

راہب نے کہا کہ تم ایک ایسے دین کی تلاش میں ہو جس کی رہنمائی کرنے والا اس دور میں کوئی تم کو نہیں مل سکتا۔ ہاں عنقریب تمہارے ملک عرب میں ایک نبی پیدا ہونے والا ہے جو ملت ابراہیمی پر مبعوث ہوگا تم اس سے ملنے کی کوشش کرو۔

زید بن عمرو کا یہ سننا تھا کہ وہ تیزی سے نکل پڑے اور مکہ کی راہ اختیار کی تاکہ وہ وہاں پہونچکر نبی اکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر ہوں اور اپنی دیرینہ تمنا پوری کریں۔

زید بن عمرو تیز رفتاری کے ساتھ منزل سر طے کرتے رہے اور ان کی قوم کے دشمن گھات میں لگے ہوئے ان کی آمد کا انتظار کر رہے تھے۔ منزل مقصود قریب تھی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا اب مکمل یقین ہو چکا تھا کہ راستے ہی میں دشمنوں نے ان کو گھیر کر قتل کر دیا۔

اور زید بن عمرو ایک عزیز تمنا، ایک عظیم آرزو لیکر اس دنیا سے ہمیشہ کے لئے چلے گئے، انھوں نے دین فطرت کی تلاش میں ہر طرح کی ایذا رسانی کو خندہ پیشانی سے گوارا کیا اور جب منزل مقصود قریب آگئی تو دشمنان فطرت نے ان کی تمناؤں کا گلا گھونٹ دیا۔ زید بن عمرو شہید ہوگئے، راہ حق کے شہید۔

ورقہ بن نوفل ان کے دوست تھے۔ مکہ میں ان کو اس شہادت کی خبر ملی تو بے حد غمگین ہوئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن عمرو کی اس قربانی اور راہ حق میں جان دینے کا یہ واقعہ سنا تو فرمایا

" قیامت کے دن وہ تنہا ایک امت بناکر اٹھائے جائیں گے۔ "

ندوۃ العلماء کا عربی ماہنامہ

البعث الاسلامی

جو ۸ سال سے برابر شائع ہو رہا ہے

۸۰ صفحات ★ اعلیٰ طباعت

نظر افروز سرورق

زیر ادارت: محمد الحسنی، سعید الاعظمی

چندہ سالانہ: چھ روپے

پتہ: دار العلوم ندوۃ العلماء۔ لکھنؤ (یوپی)

تھوڑی دیر اہل حق کے ساتھ

محمد یونس ندوی نگرامی

(۱)

حافظ ابن قیمؒ اپنی کتاب الجواب الکافی میں ارشاد فرماتے ہیں:۔

"انسانوں میں سب سے زیادہ دھوکے میں وہ لوگ ہیں جو دنیا کی چمک دمک کا شکار ہیں اور آخرت کو بالکل نظر انداز کر رکھا ہے۔ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ بعض حضرات نے یہ تک کہنا شروع کر دیا ہے کہ دنیاوی آرام ولذت تو نقد کی صورت میں سامنے موجود ہے اور آخرت کا معاملہ ادھار کا ہے اور ظاہر ہے کہ نقد سودا زیادہ نفع بخش ہوتا ہے۔ ایک دوسرا گروہ بھی یہ کہتا ہے کہ دنیاوی آسائش تو یقین کے ساتھ سامنے ہیں اور آخرت کی خوشیاں مشکوک ہیں تو پھر کیوں یقین کو مشکوک پر ترجیح دی جائے تو صحیح بات یہ ہے کہ یہ سب خیالات شیطانی وسوسے ہیں کیونکہ اس قسم کے خیالات رکھنے والے جانوروں سے بھی کم عقل رکھتے ہیں یہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ جانور بھی ان چیزوں کے قریب نہیں جاتے ہیں جس میں ان کو اپنے نقصان کا خیال ہو۔

اور جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ دنیا نقد ہے اور آخرت ادھار ہے تو ان کو سمجھ لینا چاہئے کہ اگر نقد اور ادھار نفع کے اعتبار سے برابر ہوں تو اس میں شک نہیں ہے کہ نقد بہتر ہے لیکن اگر ادھار اپنے نتائج کے اعتبار سے زیادہ نافع ہے تو اس صورت میں یقیناً ادھار ہی زیادہ بہتر ہے۔ دنیا کی ساری عمر آخرت کی صرف ایک سانس ہے جیسا کہ مسند احمد اور ترمذی میں مستور بن شداد کی حدیث ہے۔ نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا۔ دنیا کی مثال آخرت میں ایسی ہی ہوگی جیسے کسی شخص نے سمندر میں اپنی انگلی ڈالی ہو اور پھر نکال لے" اب غور کرنا چاہئے کہ انسان کی کل زندگی اس کائنات میں کتنی مختصر ہوتی ہے پھر اس کے مقابلے میں آخرت کا لاانتہا ہی سلسلہ وسیع تر اپنی تمام آسائشات کے ساتھ۔ اب یہ بات انسان پر منحصر ہے کہ وہ ان دونوں زندگیوں میں جس کو چاہے اختیار کرے لیکن عقلمند وہی کہلائے گا جو زیادہ نافع چیز کو قبول کرے

(الجواب الکافی لمن سأل عن الدواء الشافی لابن القیم ص۴)

(۲)

خالد بن یزید اپنے وقت کے بہت بڑے عالم اور عارف باللہ تھے۔ فن حدیث میں امتیازی مقام رکھتے تھے امام زہری نے آپ سے بھی روایت کی ہے۔ حق بات کہنے میں کسی سے خوف نہیں کھاتے تھے۔ خلیفہ وقت عبدالملک بن مروان کو کئی مرتبہ بھرے دربار میں اس کی غلطیوں پر تنبیہ فرمائی۔

یاقوت رومی کا بیان ہے۔ ایک مرتبہ ان سے دریافت کیا گیا کہ انسان سے سب سے زیادہ کیا چیز قریب ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ موت۔ دوبارہ سوال کیا گیا کہ امید بندھانے والی کیا چیز ہے جواب دیا عمل پھر سوال ہوا دنیا میں سب سے زیادہ وحشت کس چیز سے ہوتی ہے۔ ارشاد ہوا میت سے۔

ان سے دنیا کی حقیقت دریافت کی گئی تو فرمایا دنیا ایک منتقل ہونے والی میراث ہے۔ بس جو طاقتور ہے اس کو اپنے کمزور ہو جانے کا خطرہ لگا ہے اور مالداروں کو اپنے مفلس ہو جانے کا۔ کتنی ہی طاقتور قومیں کمزوری و ناتوانی کا شکار ہو گئیں۔ اور کتنے ہی مالداروں پر غربت کا سایہ پڑنے لگا اور اگر کوئی شخص خود پسندی و خود رائی میں مبتلا ہے تو سمجھ لو کہ اسکا دیوالیہ ہو چکا ہے۔

(معجم الادباء یاقوت الرومی ج ۴ ص ۱۶۷)

(۳)

یحییٰ بن معین حدیث کے بہت بڑے امام گزرے ہیں ان کے بارے میں امام احمد بن حنبلؒ فرمایا کرتے تھے کہ ہر وہ حدیث جس کو یحییٰ بن معین نہیں جانتے ہیں تو سمجھ لو کہ وہ حدیث صحیح نہیں ہے۔

علی بن مدینی کا کہنا تھا کہ تمام ائمہ حدیث کا ماخذ یحییٰ بن معین ہیں۔ ابن رومی کا خیال تھا کہ مشائخ میں صرف یحییٰ بن معین ہی حق بات کہنے کے عادی ہیں۔

یہی یحییٰ بن معین ایک مرتبہ حج کی غرض سے مکہ مکرمہ تشریف لائے تو آستانہ نبوی پر بھی حاضری دی۔

ایک رات آپ نے خواب دیکھا کہ ایک پکارنے والا پکار رہا ہے۔ اے یحییٰ بن معین کیا تم میری رفاقت کو پسند کرو گے؟"

مورخین کا بیان ہے کہ اس خواب کے بعد چند ہی دنوں میں مدینہ کی بابرکت زمین میں فن حدیث کا یہ آفتاب غروب ہو گیا۔

جس وقت جنازہ اٹھا ہے۔ ایک شخص پکار رہا تھا۔

"یہ ہے وہ شخص جس نے حدیث نبوی سے کذب کو دور کیا۔

(وفیات الاعیان لابن خلکان ج ۳ ص ۱۷۱، ۱۷۳)

(۴)

بعض اکابر نے امیرالمومنین عمر بن عبدالعزیز کی خدمت میں خط لکھا اور ان سے نصیحتوں و مواعظ کا مطالبہ کیا۔

خط کا جواب دیتے ہوئے حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ارشاد فرمایا "اس بات کو خوب اچھی طرح سمجھ لو کہ دنیا کا طلبگار کبھی بھی تمہاری خیر خواہی نہیں کر سکتا ہے اور آخرت کو چاہنے والا تمہارے ساتھ مجالست نہیں کر سکتا ہے۔ اپنی خواہشات کو مٹا دو تو اپنے رب کو پا جاؤ گے۔

(الکنز المدفون والفلک المشحون للسیوطی ص ۲۴۴)

محمد بن عبدالعزیز فرمایا کرتے تھے: "ان لوگوں کی پیروی نہ کرو جو شیطان کو تو اعلانیہ برا بھلا کہتے ہیں لیکن چوری چھپے اسی شیطان کی پیروی بھی کرتے ہیں۔

(حوالہ مذکور ص ۹۲)

حضرت فضیل بن عیاض ارشاد فرماتے ہیں:۔

"دنیا میں ہر چیز کی زکوٰت ہے اور عقل کی زکوٰۃ غموں کی زیادتی اور فکر کی گہرائی ہے۔"

(الکنز المدفون والفلک المشحون للسیوطی ص ۲۳۴)

ہندو پاک کا سب سے پہلا عربی اخبار

الرائد

جو ہر دوسرے ہفتہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کی عربی انجمن۔ "النادی العربی" کی طرف سے شائع ہوتا ہے اور پانچسال سے برابر نکل رہا ہے۔

اور اپنے جلو میں

علمی ادبی مقالات، ثقافتی خبریں، تبصرے، عالم عربی و اسلامی کے مختلف علمی، ثقافتی حالات ملک کے عربی داں طبقہ کے سامنے پیش کرتا ہے۔ الرائد

۲۰×۳۰/۴ سائز کے صفحات پر خوبصورت عربی ٹائپ اور کتابت میں شائع ہوتا ہے اور اب پورا اخبار عربی ٹائپ میں شائع ہوا کرے گا

زیر سرپرستی:۔ اساتذہ ادب دارالعلوم ندوۃ العلماء

صاحب الامتیاز

مولانا محمد رابع صاحب ندوی ادیب اول دارالعلوم ندوۃ العلماء

بدل اشتراک: ہندو پاک سے سالانہ ۴ روپے

غیر ممالک " " ۶ روپے

پتہ:۔ دفتر "الرائد" دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ یوپی

جبری تعلیم اور اس کے سنگین نتائج

مولوی حسان احمد ندوی

مچھلی شہر کے ایک دینی تعلیمی جلسہ کی افتتاحی تقریر کے چند اقتباسات

حضرات! کسی بھی ملک میں تعلیم کا عام رواج اس کی صحت مندی و توانائی کی علامت ہے۔ ہندوستان کے عوام کے لئے وہ دن یقیناً بڑا مبارک اور مسعود تھا جس دن کہ حکومت نے ملک میں تعلیم عام کرنے کے لئے جبری تعلیم کا اعلان کیا اور بچوں کے لئے درسگاہیں کھول دی گئیں۔

حکومت کے اسی مستحسن اقدام سے اچھی توقعات قائم کی گئیں گوشے گوشے میں اس کا استقبال کیا گیا اور ملک میں اطمینان کی لہر سی دوڑ گئی۔ بلاشبہ حکومت کا یہ اقدام لائق تحسین ہے اور ہم بھی اسے مبارکباد پیش کرتے ہیں لیکن مستقبل کا مورخ اسے فراموش نہیں کر سکتا کہ اس تحریک کا ایک پہلو اگر تعمیری ہے تو دوسرا یقیناً تخریبی ہے کیونکہ پرائمری اسکولوں میں رائج نصاب تعلیم سے نہ صرف یہ کہ ایک طبقہ اور فرقہ کے جذبات کو مجروح کیا گیا اور اس کے بنیادی عقائد کو صدمہ پہونچانے کی کوشش کی گئی بلکہ سیکولرازم کا گلا گھونٹ کر سیکولر اسٹیٹ کے دامن کو داغدار بنایا گیا جو کسی صالح جمہوریت کی پیشانی پر کلنک کا ٹیکہ ہے دستور اساسی کا منشا تو یہ کہ مروجہ نصاب تعلیم مشترک ہے جس میں کسی مذہب و ملت کی تخصیص نہیں چنانچہ مسلمان بچوں کو بھی اسی انداز سے دیومالاؤں کا درس دیا جاتا ہے جس طرح کہ ایک غیر مسلم بچے کو دیا جانا چاہئے۔

حضرات درسگاہیں، مدارس، اسکولس وغیرہ ایسے تعمیری مراکز ہیں جہاں سے لوگ زندگی کی روشنی حاصل کرتے ہیں جہاں صحیح معنوں میں زندگی اور موت میں امتیاز پیدا کیا جا سکتا ہے لیکن جب تعمیر کے نام پر تخریبی کارروائیاں کی جائیں۔ زندگی کے نام پر موت کے جام پلائے جائیں۔ شفاخانے مقتل بن جائیں تو بے ساختہ زبان پر چیخ اٹھتی ہے ۔

چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

بچوں کے ذہن و دماغ کی مثال تختی کی ہے اس پر وہی کچھ ابھرے گا جیسی آپ لکیریں کھینچیں گے یا جیسے نقوش بنائیں گے۔ اگر آج بچوں کے ذہن و دماغ پر خدا کی وحدانیت رسالت اور آخرت کا صحیح تصور کے بجائے دیومالائیں نقش کر دی جائیں تو کیا عجب کل بھی نقوش ابھر آئیں اور انھیں خطوط پر کل کا مسلم جوان اپنے مستقبل کی گاڑی ڈال دے اور نتیجۃً پوری مسلم قوم اپنے ورثہ سے محروم ہو جائے اور اس ایمانی بحران اور اس کی تباہی اور افلاس کا سبب ہم قرار پائیں گے اور آپ قرار پائیں گے گو یہ اسکیم کسی اور ہی کی ہو ۔

تو مشق ناز کر خون دو عالم میری گردن پر

حضرات آج کا عہد اپنے ترقیاتی پروگراموں کے اعتبار سے محیر العقول ایجادات کے اعتبار سے یقیناً ممتاز ہے اور ایک کامیاب عہد ہے لیکن اس عہد کی مزاجی کیفیت سے کوئی صاحب ایمان اور درد مند دل مطمئن نہیں اور یورپ نے دنیا کو جو فلسفہ دیا ہے اس سے بیزار ہے کیونکہ اسی علطیہ کے نتیجہ میں کفر والحاد بے دینی کا ایک سیلاب پھوٹ پڑا ہے جس کی متکبر لہریں برابر اسلام سے ٹکرا رہی ہیں یہ طوفان بلا اچھے سے اچھے ماہر اور اسلام کی کشتی کے کہنہ مشق ملاحوں کے لئے بھی تشویش ناک ہے اس پر مزید طرہ یہ کہ موجودہ نرالی نظام تعلیم کے تربیت یافتہ مسلمان بچے اگر یہی آگے چل کر خود ہی اسلام کے باغی بن جائیں اور وہ سب کچھ کر گزریں جو آج باہر سے کیا جا رہا ہے۔ اللہ وہ دن نہ دکھائے خدانخواستہ اگر ایسا ہو گیا تو امت مسلمہ کے لئے ایک بڑی ٹریجڈی ہوگا اور ہندوستانی مسلمانوں کے لئے ایک المیہ

پرائمری اسکولوں میں رائج نصاب تعلیم نے منکرین اسلام کو الجھن میں ڈالدیا ہے اور یہ گھڑی امت کے لئے لمحہ فکریہ ہے ہمیں اجتماعی طور پر مل جل کر اپنے دینی مسئلہ کا حل تلاش کرنا ہے۔ کیونکہ موجودہ صورت حال نہ صرف غیر قابل اطمینان بخش خطرناک نتائج کی حامل ہے، ہم نے ایمانیات کا قیمتی سرمایہ جو اپنے اسلاف سے ورثہ پایا ہے کسی قیمت پر بھی ہاتھ سے جانے نہ دیں گے ان سے اللہ جل شانہٗ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ صحابۂ کرام تک پہونچایا حضرات صحابۂ کرام نے یہ امانت تابعین کو دی اور تابعین سے اس امانت کو تبع تابعین نے لیا اور پھر نسلاً بعد نسلٍ ایک عہد سے دوسرے عہد تک منتقل ہوتے ہوئے یہ سرمایہ ہم تک پہونچا ہے۔ اگر عقیدے کے اعتبار سے اس کا زیاں ہماری تباہی اور ہلاکت ہے تو دوسری طرف مستقبل کا مورخ ہم پر طنز کر سکتا ہے اور وہ بجا طور پر کہہ سکتا ہے کہ ایسے افراد کی تباہی بالکل اصولی تھی کہ جن سے اپنے اسلاف کے ورثہ کا تحفظ بھی نہ ہو سکا۔

حضرات خدا کی وسیع و عریض زمین پر بہت سے ملک ہیں جن میں بہت سی قومیں آباد ہیں ان کے الگ الگ کچھ اصول ہیں جن پر وہ قومیں کاربند ہیں مسلمان بھی ایک قوم ہے اس کے بھی کچھ بنیادی اصول ہیں جن کو ایمانیات کا درجہ دیا گیا ہے۔ پوری مسلم قوم اس اصول کو مانتی ہے اور یہی اساسی تصورات ایک مسلمان کو ممتاز کرتے ہیں دنیا میں بسنے والی دوسری قوموں سے چنانچہ اگر ان اصولوں کو ختم کر دیا جائے یا امت میں ان کا تصور ختم کر دیا جائے تو اس کا مطلب یہ نہ ہوگا کہ تنہا یہی اصول ختم ہو گئے بلکہ یقین جانئے آپ کے وجود کا انحصار انھیں ایمانیات کے وجود پر ہے۔ اگر مسلمان جسم ہے تو ایمان روح ہے جس طرح بغیر روح کے کسی مادی جسم کے خصوصیات کا تصور ممکن نہیں ہے اسی طرح بغیر ایمانیات کے تصور کے مسلمانوں کا وجود بے معنی اور حرف غلط ہے اگر آپ کو اپنا وجود برقرار رکھنا ہے تو ایمانیات کا تحفظ شرط اول ہے ورنہ ہندوستانی مسلمانوں کی حیثیت ایسے چلتے پھرتے ڈھانچوں کی ہو کے رہ جائے گی جو اپنی توانائی کھو بیٹھے ہیں اور رفتہ رفتہ مسلم اقلیت ختم ہو جائے گی۔ اس ملک کی بھاری اکثریت میں اس وقت نہ تو آپ کا کوئی مسئلہ رہے گا اور نہ آپ زندہ قوموں میں شمار ہی کئے جا سکیں گے۔ اگر ایسا ہو گیا تو وہ دن بڑا سخت ہوگا آپ اس کو انشا پردازی پر محمول نہ کریں درحقیقت یہی سنگین نتائج جبری تعلیم کے ہیں اور یہی روح اس میں کارفرما ہے۔

تعمیر حیات لکھنؤ

میں اشتہار دے کر اپنی

تجارت

کو فروغ دیجئے

کُتب خانے کی سیر

کتب خانہ دار المصنفین اعظم گڑھ

ابو البقا ندوی رفیق دار المصنفین

مشرقی ہند میں دار المصنفین اعظم گڑھ کا کتب خانہ ایک خاص مقام رکھتا ہے۔ اس کتب خانہ میں کتابوں کی تعداد کوئی بہت زیادہ نہیں ہے پھر بھی یہاں چیدہ کتابوں کا ایسا ذخیرہ موجود ہے جو دوسرے کتب خانوں میں مشکل سے دستیاب ہوسکتا ہے۔ ہم ذیل میں یہاں کے بعض نوادرات کا ذکر اجمالاً کرتے ہیں۔

تفسیرات احمدیہ مصنف کا نام شیخ احمد بن ابو سعید بن عبد اللہ بن عبد الرزاق ہے ان کا سلسلۂ نسب حضرت ابو بکر صدیقؓ سے ملتا ہے۔ قصبہ امیٹھی لکھنؤ کے رہنے والے تھے۔ اورنگ زیب عالمگیر کو آپ سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ ملا صاحب کی ساری عمر درس وتدریس۔ ۔ ۔ وتالیف میں گزری۔ حافظ بلا کا پایا تھا حرمین شریفین کی زیارت کو گئے تو مدینہ میں ربیع الاول ۱۰۸۰ھ میں منار کی شرح نور الانوار لکھنی شروع کی، ۷ جمادی الاول ۱۰۸۱ھ کو یہ ختم ہوئی۔ اس کتاب کی شرح میں کسی اور کتاب سے مدد نہ لی۔

تفسیرات احمدیہ فن تفسیر میں اہم کتاب ہے، اپنی جامعیت اور افادیت کے لحاظ سے دوسری کتابوں میں اسے ممتاز مقام حاصل ہے اس کتاب میں آیات متعلقہ احکام کی تفسیر وتشریح مسلک احناف کے مطابق ہے۔ کتاب کا سن تصنیف ۱۰۶۹ھ ہے۔

تفسیر مواہب علیہ مصنف کا نام حسین بن علی کاشفی لقب الواعظ المتوفی ۹۰۶ھ یا ۹۱۰ھ ہے۔ اس کتاب کے دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مولف نے اپنے مربی اور حاکم میر علی بشر کے لئے موم ۸۹۷ھ مطابق ۱۴۹۲ء میں یہ تفسیر لکھنی شروع کی اور پانچ سال بعد اپنی یہ مشہور تفسیر تیار کرلی۔ آخر میں اپنے بیٹے کی ایک رباعی درج کی ہے جس سے ۸۹۹ھ سال تکمیل کا پتہ چلتا ہے۔

اس تفسیر کا ترکی ترجمہ ابو الفضل محمد بن ادریس بدلیسی المتوفی ۹۸۲ھ نے کیا ہے۔ موصوف کی ایک دوسری تفسیر جواہر التفسیر کے نام سے مشہور ہے۔

اس نسخہ کا سنہ کتابت بروز جمعہ ۹۴۶ھ ہے اور کاتب سلیمان المشہور بہ دہرت قاسم ہے۔

اخوان الصفا چوتھی صدی کے نصف میں اہل علم کی ایک جماعت نے جو اپنے آپ کو اخوان الصفا کے نام سے موسوم کرتی تھی اس نے مختلف فلسفیانہ موضوع پر ۵۱ رسالے لکھے۔ جو رسائل اخوان الصفا کے نام سے چار جلدوں میں شائع ہوئے ہیں۔

ان مولفین میں ابو سلیمان محمد بن نصر مقدسی، ابو الحسن علی بن ہارون زنجانی، ابو احمد نہرجوری، عوفی، زید بن رفاعہ، یہ جماعت خود کو کسی فرقہ سے ظاہر نہیں کرتی بلکہ اپنے کو ایک عقلی گروہ کہتے ہیں۔ لیکن بایں ہمہ وہ صرف عقل ہی کے متبع نہیں تھے۔ بلکہ مذہبی حیثیت سے فرقۂ شیعہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

یہ نسخہ علامہ شبلی نے ۱۸ فروری ۱۹۱۴ء میں خریدا تھا۔ غالباً یہ نسخہ مولانا حبیب الرحمن خاں شیروانی کی ملکیت میں رہ چکا ہے۔ کیونکہ اس نسخہ پر مولانا موصوف کے دستخط ہیں اور تاریخ ۱۵۔ ربیع الثانی ۱۳۱۲ھ درج ہے۔

شرح اشارات ابو عبد اللہ کنیت، محمد نام اور نصیر الدین لقب ہے۔ ۵۹۷ھ میں بمقام طوس پیدا ہوا اور ذی الحجہ ۶۷۲ھ میں بغداد میں وفات پائی اور مشہد کاظم میں دفن ہوا، مذہباً یہ شیعی اور معتزلی تھا۔ شرح اشارات اس کی تصنیفات میں زیادہ مشہور ہے جسے اس نے ۲۰ سال کی مدت میں مکمل کیا۔ امام رازیؒ نے اشارات پر جو اعتراضات کئے تھے ان کے جوابات دیئے ہیں، اس کتاب کو بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

شرح نہج البلاغۃ نہج البلاغۃ کے متعلق مشہور اور عام روایت یہی ہے کہ یہ آپ کے تمام خطبات، فرامین اور اقوال وغیرہ کا مشہور روزگار مجموعہ ہے جو علم حکمت، سیاست وآئین اور بالخصوص عربی علم وادب کی فوقیت میں فقید المثال حیثیت رکھتا ہے۔ اس کتاب کا جامع اور مرتب رضی الدین موسوی المعروف بہ الشریف الرضی ہے جو بغداد کے ایک شیعی خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ ۳۵۹ھ مطابق ۹۷۰ء میں پیدا ہوا اور ۶ محرم ۴۰۶ھ مطابق ۱۰۱۵ء میں بغداد میں انتقال کیا۔

اس کتاب کا شارح عز الدین ابی حامد عبد الحمید بن ہبۃ اللہ مدائنی المتوفی ۶۵۶ھ ہے۔ یہ کتاب ۱۳۲۹ھ میں مع شرح کے مصر میں شائع ہو چکی ہے۔

احیاء العلوم یہ کتاب امام غزالی کی تصنیف ہے محمد نام حجۃ الاسلام لقب، غزالی عرف، سلسلۂ نسب یہ ہے کہ محمد بن محمد بن احمد خراسان کے رہنے والے تھے۔ ۱۴ جمادی الثانی ۵۰۵ھ میں بمقام طاہران انتقال ہوا۔

امام غزالی نے فلسفہ ومذہب دونوں کو ترکیب دیکر احیاء العلوم تصنیف کی جس نے تمام نقش پورے کردئے اور وہ مقبولیت حاصل کی کہ ایک طرف ائمہ اسلام اس کو الہامات ربانی سمجھے اور دوسری طرف ہنری لوئیس نے تاریخ فلسفہ میں اس کی نسبت یہ لکھا کہ

" اگر ڈیکارٹ (جو یورپ میں اخلاق کے فلسفۂ جدید کا بانی خیال کیا جاتا ہے) کے زمانے میں احیاء العلوم کا ترجمہ فرنچ زبان میں ہوچکا ہوتا تو ہر شخص یہی کہتا کہ ڈیکارٹ نے احیاء العلوم کو چرا لیا ہے "

ابن اثیر لکھتے ہیں کہ یہ کتاب سفر کی حالت میں لکھی گئی تھی، کتاب چار اجزاء پر مشتمل ہے۔

یہ نسخہ دو جزو ۳۰۴ پر مشتمل ہے جس کے ابتدائی اور آخری اوراق غائب ہیں۔

نزہۃ الارواح وروضۃ الافراح یہ کتاب تاریخ الحکما کا فارسی ترجمہ ہے۔ تاریخ الحکماء کا مصنف شمس الدین محمد شہرزوری ہے۔ اس کتاب میں ایک سو گیارہ یونانی اور مصری متقدمین اور متاخرین حکماء کے حالات درج ہیں ــــــ پھر اس کتاب کو اکبر کے عہد میں شہزادہ سلیم کے مطالعہ کے لئے ۱۰۱۱ھ میں مقصود علی تبریزی نے فارسی میں ترجمہ کیا۔ یہ نسخہ سید سلیمان ندویؒ نے مئی ۱۹۴۳ء میں بھوپال سے دار المصنفین کے کتب خانہ کے لئے خریدا تھا

(باقی ص ۵۰ پر)

دار العلوم

حالات و واقعات!

افتخار حسین قدوائی منصرم دار العلوم

جدید وظائف کی منظوری

دار العلوم ندوۃ العلماء میں ۲ مارچ ۷۶ء سے جدید نصاب تعلیم کے مطابق باقاعدہ تعلیم شروع ہوگئی ہے۔ جملہ طلبائے دار العلوم بعد ختم تعطیلات رمضان المبارک واپس آگئے ہیں تقریباً دو سو جدید طلبہ محض اس سال داخل ہوئے ہیں۔ دار الاقامہ میں عدم گنجائش کی بنا پر اب داخلے روک دیئے گئے ہیں۔ سال رواں کے لئے تقریباً ۱۲۵ جدید وظائف کی منظوری ہوئی۔

اساتذہ دار العلوم عازم حج

دار العلوم ندوۃ العلماء سے امسال مولانا محمد اسحاق صاحب ندوی اور مولانا محمد تقی الدین صاحب ندوی فریضۂ حج بیت اللہ کی ادائیگی کے لئے عازم سفر ہیں، انشاء اللہ اپریل کے پہلے ہفتہ میں براہ بمبئی روانہ ہوجائیں گے۔ فعلی برکۃ اللہ فی الحل والترحال۔

الاصلاح

طلبائے دار العلوم کی انجمن "الاصلاح" کا انتخاب ہوا۔ محمود الازہار ناظم اور خطیب احمد بنگش نائب صدر منتخب ہوئے۔

انجمن الاصلاح دار العلوم ندوۃ العلماء کے طلبہ کی علمی مجلس ہے۔ جس کے صدر مہتمم صاحب دار العلوم ہوتے ہیں۔ اس مجلس کے ذریعہ طلبہ میں علمی وانتظامی صلاحیت پیدا کرنے کے لئے اس کے سارے انتظامات طلبہ ہی کے ہاتھوں انجام پذیر ہوتے ہیں اس کے ماتحت دار الکتب، دار المطالعہ، دار الاخبار، تقریری جلسے، مباحثے اور تحریری مقابلے کا انتظام ہوتا ہے جس سے طلبہ میں علمی، عملی، انتظامی صلاحیتیں پیدا ہوتی ہیں۔ ان کاموں کی نگرانی کے سلسلے میں جناب مہتمم دار العلوم نے مولانا عبد الماجد صاحب ندوی استاد ادب دار العلوم کو "مربی" کی حیثیت سے مقرر فرمایا ہے۔

شعبہ ورزش

ورزشی کھیلوں کے لئے بھی دار العلوم میں ایک انجمن قائم ہے سال رواں کے لئے جنرل کپتان کی حیثیت سے محمد عمر طہری کا انتخاب ہوا۔ ان کے ماتحت مختلف ورزشی کھیلوں کے علیحدہ علیحدہ کپتان مقرر ہیں۔ جو طلبہ کے لئے ضروری کھیلوں کا انتظام کرتے ہیں۔

اس شعبہ نے جناب مولانا محمد اسحاق صاحب ندوی کی زیر نگرانی وہدایت ورزشی کھیلوں کی مشق شروع کردی ہے۔

بقیہ خطبات نبوی

ہیں تباہ کیا یہ ممکن تھا کہ سوکنیں آپس میں نہ لڑتیں اور نہ پرانے قصے دہرائے جاتے؟ ایسی صورت میں تو صرف حضرت فاطمہ ہی کے نہیں حضرت علیؓ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر بھی صدمہ پہونچنے کا اندیشہ تھا۔

فرض کرو سوکن خاندان ابوجہل سے نہ ہوتی کسی اور گھرانے سے ہوتی تو کیا ایسی صورت میں بھی یہ مناسب تھا کہ حضرت فاطمہؓ کی موجودگی میں حضرت علیؓ کو نکاح ثانی کی اجازت دے دی جاتی جبکہ یہ معلوم ہے کہ سوکنیں آپس میں لڑتی ہیں اور ایک دوسرے پر طعن وتشنیع بھی کرتی ہیں؟ سوچئے کیا حشر ہوتا، اس عورت کا جو خاندان محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض بھی رکھتی اور اپنے آپ کو مخلص مسلمان بھی بنانے کی کوشش کرتی، حقیقت یہ ہے کہ مخالفت صرف حضرت فاطمہؓ کی دلجوئی کے لئے نہ تھی، سوکن اور اس کے خاندان کی خیر وعافیت بھی اسی میں تھی کہ خاندان نبوت سے جنگ وجدال کے تمام مواقع سے احتراز کریں۔

یقیناً اگر آج بھی ایسی کوئی صورت ہو اور آنے والی سوکن سے دین وایمان کی خرابی کے سوا اور کچھ حاصل ہونے کی امید نہ ہو تو اسے کسی طرح بھی برداشت نہیں کیا جاسکتا۔

وما توفیقی الا باللہ

مطالعہ کی میز پر

لاکھ روپیہ پر خاک

مولوی تجمل حسین صاحب لکھتے ہیں: مولوی محب اللہ خاں صاحب امروہہ نے بیان فرمایا کہ ہم سے نواب کلب علی خاں والئ ریاست رام پور بے تکلفی رکھتے تھے اور بہت محبت رکھتے تھے۔ ایک دن نواب صاحب نے ہم سے اپنا خیال ظاہر کیا کہ ہم کو بہت تمنا ہے کہ مولانا مولوی فضل الرحمن محدث اس رام پور میں ہمارے یہاں تشریف لادیں تو خوب ہو، کیونکہ سب اہل علم ہر فن کے مجتمع ہیں، مگر وہی ایک صاحب یہاں نہیں ہیں کہ جو شاہ عبد العزیز صاحبؒ کے صحبت یافتہ ہیں۔ اس پر مولوی صاحب موصوف نے نواب صاحب موصوف سے کہا کہ اگر ان کو ہم لادیں تو کیا آپ ان کے لئے نذر کریں گے؟ نواب صاحب نے کہا کہ لاکھ روپیہ مولوی صاحب کی خدمت میں پیش کروں گا۔ چنانچہ مولوی محب اللہ خاں صاحب کہتے ہیں کہ ہم مراد آباد پہونچے اور مولانا سے ملے سب قسم کی باتیں توحید وغیرہ کی ہونے لگیں، پھر ہم نے عرض کیا کہ: رام پور تشریف لے چلئے، نواب کلب علی خاں آپ کے بہت مشتاق ہیں اور لاکھ روپیہ نذر کریں گے۔ آپ جس طرح سے بات کر رہے تھے اسی طرح کرتے رہے اور اس حکایت کو معمولی بات کی طرح ٹال دیا اور فرمایا کہ: میاں لاکھ روپیہ پر خاک ڈالو اور بات سنو ــ

جو ہم دل پہ اس کا کرم دیکھتے ہیں
تو دل کو بہ از جام جم دیکھتے ہیں

اور پھر وہی سب عشق وغیرہ کی کہانی کرتے رہے۔

(حضرت مولانا فضل رحمن گنج مراد آبادی ص ۱۰۰)

(از مولانا ابو الحسن علی ندوی)

طلبہ کا صفحہ

ابو العلا المعری

اشفاق احمد لکھنوی

ابو العلا کی ولادت ۳۶۳ھ کو معرۃ النعمان میں ہوئی۔ والد عبد اللہ ایک مشہور عالم اور جد امجد سلیمان ایک عمدہ اور ذہین جج تھے۔ ابو العلا نسلاً عرب اور تنوخی تھے۔ چار سال کی عمر میں چیچک کے مرض میں مبتلا ہوئے جس سے بائیں آنکھ کی روشنی جاتی رہی ابتدائی درسیات پدر بزرگوار سے حاصل کی پھر اپنے وطن کے بعض علماء سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ آپ کا ذہن قابل رشک تھا۔ اور نحو و صرف و ادب ہی حیرت انگیز ملکہ حاصل تھا۔

۳۹۳ھ میں شام گئے اور وہاں کی لائبریری سے خاصہ استفادہ حاصل کیا۔ اس کے بعد لاذقیہ کے علاوہ اور راہبوں سے ملاقات کی ان سے مذہب یہودی و مسیحی کے اصول سیکھے۔ پھر بغداد آگئے۔ وہاں کے باشندوں نے پرتپاک استقبال کیا ابو العلاء وہاں کے آزاد خیال اور روشن ضمیر علماء سے فلسفۂ یونانی اور حکمت ہندی سے فیض یاب ہوئے۔ اپنے تلامذہ سے بحث و مباحثہ کرنا پسندیدہ شغل تھا ان کے سامنے اپنی آراء پیش کرتے اور ان سے طالب جواب ہوتے۔

چودہ سال کی عمر میں اپنے والد کے سایہ سے محروم ہو گئے تھے اور یہاں اپنی والدہ کی شفقتوں سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے اس سانحۂ عظیم کا ابو العلاء کے قلب پر بے انتہا اثر ہوا اور اس اچانک پیدا شدہ واقعہ سے غیر متوقع مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

سب سے عجیب چیز جو قابل ذکر ہے وہ یہ کہ والدہ کے انتقال سے ان کو دنیا کی ہر چیز سے بے انتہا نفرت ہو گئی تھی۔ حتی کہ گوشت، مکھن، دودھ، دہی وغیرہ کو بھی اپنے معمولات میں استعمال نہ کرتے۔ ہر چیز کو غیظ و غضب، غصہ اور نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھتے۔ انھوں نے اپنے لئے خلوت نشینی ہی کو بہتر سمجھا۔ چنانچہ ۴۰۰ھ میں اپنے وطن تشریف لاکر ایک گمنام زندگی بسر کرنا شروع کر دی۔ تمام لوگوں سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ صرف طلبہ کو ملاقات کی اجازت تھی۔ اس مدت میں انھوں نے بہت سی کتب تصنیف فرمائی کچھ مشہور کتابوں کے نام یہ ہیں۔

۱۔ دیوان سقط الزند ۲۔ رسالۃ الغفران
۳۔ کتاب الفصول و الغایات۔

جہاں ابو العلاء کو دنیا کے لوگوں سے نفرت تھی اور ان سے بدگمان رہتے وہاں یہ بات بھی لائق تحسین اور قابل تعریف ہے کہ وہ بہت نرم دلی، نرم خوئی اور ہمدردی سے پیش آتے تھے۔

بلاشبہ ابو العلاء ایک عمدہ فلسفی ایک اچھا انشا پرداز اور ایک زندہ دل شاعر تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ ان کے اشعار ہی کی بنا پر ان کو بعض لوگ کافر کہتے ہیں اور بعض لوگ مومن کہتے ہیں۔

ساری عمر کنوارے رہے ۴۴۹ھ میں اس عالم فانی سے رحلت فرمائی ان کے انتقال کے وقت ان کی قبر پر تقریباً ۱۲۰ اشخاص تھے جن میں فقہاء، شعراء، صوفیاء اور محدثین وغیرہ بھی تھے۔ ابو العلاء نے مرتے وقت اس شعر کو اپنے قبر پر لکھوانے کی وصیت کی تھی

ھذا جناہ ابی علی — وما جنیت علی احد

ندوۃ العلماء

از عبد المنان غنم

کتنا دلکش ہے سماں کیسی بہار آئی ہے
ندوہ پر آج تو رحمت کی گھٹا چھائی ہے
چارسو ہوتی ہے اک بارش انوار اے غنم
ماہ و انجم نے یہیں سے تو ضیا پائی ہے

مئے وحدت کے جو طالب ہیں وہ آتے ہیں یہاں
تشنگی علم کی آ آکے بجھاتے ہیں یہاں
جن کو ہوتی ہے خدا اور نبی سے الفت
جھیل کر سختیاں عقبیٰ کو بناتے ہیں یہاں

اس نے پیدا کئے نایاب و درخشاں گوہر
جنکی تابانی سے شرمایا ہے ماہ انور
اب نہ پائے گا زمانہ کبھی انکی تمثیل
لاکھ ڈھونڈے کوئی جلتی ہوئی شمعیں لیکر

یاران خفتہ جاگو!

رئیس الشاکری بارہ بنکوی

لو فطرتِ جہاں پھر، کروٹ بدل رہی ہے
اب شام بھی نئی ہے، اور صبح بھی نئی ہے
یہ وقت امتحان ہے۔ یہ موڑ زندگی ہے
دنیا کی جو بھی شے ہے، انجان واجنبی ہے
یاران خفتہ جاگو، آواز آ رہی ہے

مذہب سے کیا تعلق، قرآں سے واسطہ کیا؟
کس کو رسول کہئے؟ ہے بھی کوئی خدا کیا
مولیٰ مرے یہ آخر، دنیا کو ہو گیا کیا
نقشے بدل گئے ہیں، فطرت بدل گئی ہے
یاران خفتہ جاگو، آواز آ رہی ہے

پیغام اپنا اٹھو! دنیا کو پھر سنا دو!
بھٹکے ہوؤں کو آؤ، پھر راہ سے لگا دو!
ٹوٹی ہوئی ہے ہمت، ہمت ذرا بڑھا دو
اب بھی جگہ تمہاری خالی پڑی ہوئی ہے
یاران خفتہ جاگو، آواز آ رہی ہے

(پرنٹر پبلشر محمد الحسنی نے شاہی پریس نخاس اللہ روڈ لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر تعمیر حیات ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا)

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام کی چند اردو مطبوعات

مقالات سیرت
از:۔ ڈاکٹر محمد آصف قدوائی ایم اے، پی ایچ ڈی
سیرت محمدی کے موضوع پر دنیا کی مختلف زبانوں میں جو لکھا گیا ہے اسکا شمار مشکل ہے اردو اس باب میں خاص امتیاز رکھتی ہے جسمیں بڑی سے بڑی ضخیم کتابیں لکھی جا چکی ہیں لیکن ڈاکٹر آصف نے مقالات سیرت کے نام سے یہ کتاب تعلیم یافتہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کیلئے سیرت کے مختلف پہلوؤں پر لکھی ہے۔
کتابت و طباعت دیدہ زیب، سائز $\frac{۱۸×۲۲}{۸}$ صفحات ۲۸۰، قیمت مجلد مع گرد پوش ۴/۵۰

طوفان سے ساحل تک
از:۔ محمد اسد (سابق لیوپولڈ ویس)
ترجمہ:۔ محمد الحسنی (مدیر البعث الاسلامی)
اس کتاب میں مغربی زندگی کے اس طوفان کی تصویر پیش کی گئی ہے جس سے گزر کر محمد اسد صاحب قلبی و روحانی سکون کے ساحل تک پہونچے اور ایمان سے بہرہ یاب ہوئے، اس میں مغربی تہذیب کی مکمل تصویر کھینچی ہے اور اسلامی معاشرہ کی خصوصیات پر بہت خوبی کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے۔ مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کے مفصل مقدمہ کے ساتھ۔
کتابت، طباعت معیاری، کاغذ اعلیٰ، قیمت:۔ مجلد پانچ روپے

ہندوستانی مسلمان
از:۔ مولانا سید ابو الحسن علی ندوی
ہندوستان کی تاریخ میں مسلمانوں کا کردار، انکے شہرہ آفاق علمی و تعمیری کارنامے، زندگی و تمدن پر ان کی گہری چھاپ، جنگ آزادی میں قیادت و رہنمائی، اور انکے موجودہ مسائل — یہ کتاب درحقیقت سینکڑوں کتابوں کا خلاصہ ہے۔
مجلد سہ رنگا گرد پوش قیمت ۲/۵۰ عربی ایڈیشن ۲/۵۰ انگریزی ۶/-

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام ندوۃ العلماء لکھنؤ